

اچھے مرزا

رئیس امر وہوی



Raza

رئیس اکاڈمی

مانیجنگ سٹریٹ. گارڈن ایسٹ. کراچی ۴



مقالات

(حصہ اول)

اعلیٰ حضرت نواب اچھے مرزا صاحب بالقابہ

*

مرتب

احقر العباد

رئیس امر وہوی

ناشر — رئیس اکاڈمی
قیمت — دس روپے
طباعت — ابن حسن پریس - کراچی

پہلا ایڈیشن
۱۹۷۵ء

رئیس اکاڈمی - مانک جی اسٹریٹ

گارڈن ایسٹ - کراچی

فون نمبر ۷۰۵۵۶

می شناسم

اعلیٰ حضرت نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ بالقابہ کون ہیں؟ اور اس احقر العباد ننگِ نفاق۔ ناکارہ مرد مال و بیچ کارہ اہل جہاں۔ راقم آثم و بندہ غاصی سید محمد ہدی تخلص رئیس مرد ہوی کا ان بزرگوار سے کیا تعلق ہے؟ یہ حکایت ہے شہیندلی اور یہ روایت ہے گفتنی۔ مرزائے ممدوح کی شخصیت بے حد پہ اسرار سی۔ تاہم اہل نظر کے لئے ان کی معرفت دشوار بھی نہیں۔

بہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

اچھے مرزا صاحب سے اس جانب کا تعارف ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شرفار کے ہزاروں خاندان تباہ حال ہو کر ادھر سے ادھر سرحد کے اُس پار سے سرحد کے اِس پار آ رہے تھے۔ بخوبی یاد ہے کہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اِس جگر خستہ تیغ حوادث نے سرزمینِ پاک پر قدم رکھا۔ اور دوسرے روز سب سے پہلے جن بزرگوار فضیلت آثار کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی وہ مرزا جعفر زٹلی رحمۃ اللہ علیہ کے دو دمان عالی شان کے چشم و چراغ اور مرزا پھویا اعلیٰ اللہ مقامہ کے گھرانے کے برخوردار سعادت آثار طوطی شکرستان معانی و بلبل ہزار داستان ہمہ دانی۔ مسند نشین محفل فصاحت و شہسوار عرصہ بلاغت حضرت نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ بالقابہ مدظلہ تھے۔

اے نام تو زینت زبان ہا

اے ذکر تو زیبِ استان ہا

الحق کہ مرزا صاحب موصوف کی ذات پیکر صفات اور ان کی صفات جامع کی کمالات ہیں۔ اس عہد ضعیف نے بڑے بڑے اہل کمال کو دیکھا اور ان کی نظر کیمیا اثر سے فیض بلکہ فیضان حاصل کیا ہے مگر کئی باللہ شہید (اور اللہ شہادت کے لئے کافی ہے) فنون لطیفہ، فنون شریفہ۔ فنون ظریفہ اور فنون نفیہ میں مرزا جی سے بڑھ کر دسترس کسی کی نہ پائی۔ شاعری ان کی کنیز خانہ زاد۔ ادب ان کا بندہ بے دام اور خطابت ان کی حاجب حاضر باش ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں حضرت نے یہ نوازش فرمائی کہ اس ادارہ روزگار کا اسم زمرہ مصاحبین میں درج فرما لیا اور برصائے خاطر اجازت دی کہ جب جی چاہے شرف ملازمت حاصل کر سکتے ہو۔

مرزا جی اشرف الوزراء خان خانان نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم و مغفور کے جلوس میمنت مانوس کے سال اول میں کراچی تشریف لائے تھے۔ درحقیقت ان کے عروج کا زمانہ وہی تھا۔ اس مبارک زمانے میں مرزائے موصوف کے قلم حقیقت رقم۔ خادمہ غنبر شمامہ اور کلک جواہر سلک سے نشر و نظم کی صورت میں جن گہریاروں اور شاہ کاروں کی تراش ہوئی ہے۔ ان کا اندازہ آسان نہیں۔ جناب ممدوح کے اس ادعا میں کون شک کر سکتا ہے کہ

اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے

نقاۃ گردوں نہ کرے چوں مرے آگے

مرغانِ اولیٰ احنہ مانند کبوتر۔

کرتے ہیں سدا عجز سے غول غول کے آگے

جہاں ہے مرا غامد کہیں کہیں کوئیں باندھیں

بلبل سے چلے آتے ہیں غنوں مرے آگے

نواب اچھے مرزا بیک وقت مورخ بھی ہیں۔ سیاسی مبصر بھی۔ مصنف بھی ہیں شاعر بھی۔ مصلح قوم بھی ہیں مدبر مملکت بھی۔ نثر کی قلمرو ہو یا نظم کی۔ شعر کا میدان ہو یا انشا پر۔ ازی کا ایوان۔ اس مردِ خدا کا۔ دم کہیں بندھے نہ قلم! اس پر طرہ یہ کہ اہل قلم ہونے کے ساتھ صاحبِ سیف بھی واقع ہوئے ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی بے تکابو لے اور مرزا جی گرز گراں کو بے کر اس کی سرکوبی پر تیار نہ ہو جائیں۔ خیر وصف مرزائے موصوف کے کہاں تک گناؤں۔
محنت پر کہ

اسے تو مجموعہ خوبی۔ بچہ نامت خوانم

مرزائے گرامی قدر۔ داستان امیر حمزہ۔ طلسم ہوشربا۔ ایرج نامہ۔ تورج نامہ۔ کوکب نامہ، ہشت بہشت۔ بوستان خیال۔ کتب طلسمات۔ دفاتر ترمیر نجات۔ فسانہ آزاد قیصر۔ حاتم طائی۔ اور مثنویات سحر البیان۔ گل بکاؤلی۔ طلسم الفت۔ بحر محبت وغیرہ کے حافظ۔ اور اساتذہ سلف کے مجموعہ ہائے کلام راز دلی دکنی تا مرزا غالب، کے مفسر۔ قدردان اور نکتہ سنج ہیں۔ ان کی نثر و نظم پر اردو کے کلاسیکی ادب کی چھاپ اتنی گہری ہے اور اس بلا کی شوخی اور بذلہ سنجی اس شخص کی انشا میں پائی جاتی ہے کہ صرف با ذوق و با شعور حضرات ہی ان جواہر ادبی کو پرکھ سکتے ہیں۔

ناظرین باتمکین! یہ مقالات نواب اچھے مرزا کی پہلی جلد ہے۔ اگر نکتہ شناسان ادب نے اس مجموعے کی پذیرائی اور قدردان سخن نے اس دفتر کی قدر افزائی فرمائی تو انشاء اللہ تعالیٰ بحول و قوت الہی۔ اس مجموعے کی دوسری جلدیں بھی یکے بعد دیگرے نظرِ ازاہل نظر ہوتی رہیں گی۔ و ما توفیق اللہ بالشر۔

آخر میں تمام قارئین فضیلت آمین سے احقر العبادتیں امروہوی کی درخواست ہے کہ مرزا جی کے طولِ عمر و بلندی اقبال کے لئے دعا فرمائیں۔ لیجئے خوب یاد آیا۔ کسی زمانے میں بدخواہوں نے یہ افواہ اڑادی تھی کہ مرزا جی (لاحول ولاقوة) انا للہ وانا الیہ راجعون

ہو چکے ہیں۔ چنانچہ بعض شعرائے نامی گرامی نے حضرت کے قطعات تاریخ وقات بھی مرتب فرمائے تھے۔ لیکن زندہ جاوید کو موت کہاں؟ مرزا جی علی الرحمہ عدار۔ زندہ ہیں۔ تابندہ ہیں۔ رخشندہ ہیں اور انشاء اللہ زندہ و تابندہ و رخشندہ رہیں گے۔

الہی۔ تا قیامت زندہ باشی
مثال ہر دمہ تابندہ باشی

زبیر امروہوی

(۱۵ مئی ۱۹۵۷ء)

مرزا پھویا کے بیٹے کا خط اپنے ابا کے نام

جن لوگوں نے مرحوم سید سجاد حیدر یلدرم کے مضامین پڑھے ہیں انہیں غالباً وہ خط یاد ہو گا جو مرزا پھویا نے علی گڑھ یونیورسٹی (جو اس زمانے میں ایم۔ او۔ ایل کالج تھا) سے اپنے والد ماجد کے نام ارسال کیا تھا۔ اس خط میں وہاں کی بدتمیز لوں کا شکوہ کیا گیا تھا۔ مرزا پھویا کا یہ تاریخی خط ادبیاتِ اردو میں لازوال اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ یہ پاکستان اور پاکستانیوں کی خوش نصیبی ہے کہ آج کل مرزا پھویا کے صاحبزادہ بلند اقبال کراچی میں مقیم ہیں۔ مرزا پھویا نے انقلابِ سلطنت کے باوجود لکھنؤ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور وہ حضرت اب تک لکھنؤ ہی میں مقیم ہیں۔ لیکن ان کے بڑے صاحبزادے ہجرت فرما کر پاکستان آ گئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بیابا پ کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ مرزا پھویا کے صاحبزادے میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کی بدولت ان کے والد ماجد مشہور ہوئے اور ایسے مشہور ہوئے کہ ان کے خط کو سید سجاد حیدر یلدرم ایسے صاحبِ طرز ادیب نے اپنے مضامین و مقالات میں جگہ دی۔ نواب اچھے مرزا صاحب جب اپنے والد بزرگوار سے رخصت ہو کر کراچی کے لئے روانہ ہوئے تھے تو مرزا پھویا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اور ان کے بازوؤں پر امامِ فاضل باندھ کر کہا تھا کہ جان پدر! صبر کی سیل سینہ پر رکھ کر ہمیں کراچی روانہ کر رہا ہوں۔ تمہیں قسم جنابِ سیر کی جہد کے جہد خط بھیجتے رہنا۔ سعادت مند بیٹے نے شفیق باپ کی اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا اور کراچی پلے آنے کے بعد ہر نفقہ اس پابندی کے ساتھ مرزا پھویا کو خط لکھنے شروع کئے کہ کیا وزیرِ عظم پاکستان بھی خط و کتابت میں اس قدر ضابط پسند اور باقاعدہ ہوں گے.... مازخ اور جغرافیہ سے مرزا پھویا کی دلچسپی عالمِ آشکارا ہے، آپ کے صاحبزادے کو بھی گویا یہ شوق ورثے میں ملا

ہے۔ آپ نے کراچی سے قلعہ خطوط کا دورہ کیا ہے۔ ان میں جہاں اپنی تاریخ دان اور جغرافیہ شناسی کا ثبوت دیا ہے خوش قسمتی سے چند خطوط کی نقل ہمارے ہاتھ لگ گئی ہے جنہیں ہم قفا فوقتاً پیش کرتے رہیں گے، ذیل میں اس سلسلے کا ایک تازہ ترین خط پیش کیا جاتا ہے۔ پڑھیے اور مرزا پھوپھا کے صاحبزادے کی وسیع النظری کی داد دیجیے مگر نہیں تو بہ! ابھی میں نے موصوف کا مکمل تعارف کب کرایا ہے؟ موصوف کا نام نامی ہے ”اچھے مرزا“ اور نام کے قبل اعزاز خاندانی کے مندرجہ ”نواب“ کا دم چھلہ لگا ہوا ہے۔ بندر روڈ پر سندھ یونیورسٹی کے عتب میں ایک دو منزلہ عمارت کے اندر مرزا صاحب کا قیام ہے۔ روزانہ شام کو آچکن پین سمیوسہ (دوپی ٹوپی) سر پر رکھ مانگ پٹی سے درست ہو چھری ہاتھ میں لے گھر سے نکلتے ہیں اور آدھے شہر کا چکر کاٹ کر گھر میں گھستے ہیں۔ آدمی سپاہی منش ہیں غصہ تاک پر دھرا رہتا ہے ان ہی وجود کے سبب تمام محلے والے ان کا پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ قلعہ مختار آپ اچھے مرزا کا خط ان کے والد بزرگوار کے نام پڑھیے اور سیکر اور ان کے حق میں معاف کر دیجئے!.....

قبلہ کونین و کعبہ دارین مظلہ العالی!

فدوی بخیریت ہے اور حضور کی خیریت مزاج مع علیا حضرت والدہ صاحبہ مظلہا بدگاہ الہی نیک
مطلوب! دیگر احوال اس کہ کراچی کا موسم پچھلے ہفتے سے کافی بدل چکا ہے اور فدوی تداخل فصلیں (موسم)
کی تبدیلی کے سبب نزل زکام میں مبتلا ہے۔ کل رات بڑی شدت رہی۔ قبلہ نے اپنے شفقت نامہ میں
تحریر فرمایا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ریورے پارسلوں کی آمد و رفت جاری ہو گئی ہے لہذا لکھ
تھے کس چیز کی ضرورت ہے تاکہ لکھنؤ سے پارسل کر دیا جائے۔ قبلہ! کیا تحریر کروں، کون سی ایسی چیز ہے جس کی
ضرورت نہیں۔ جب لکھنؤ کا خیال آتا ہے آٹھ آٹھ آنسو روتا ہوں اور قسم چھوٹے حضرت کی شدت تم سے باقہ
پاؤں ٹھنڈے ہو ہو جاتے ہیں۔ ہائے لکھنؤ! تجھ سے کیا بچھڑے، جنت سے بچھڑ گئے کیا شہر ہے؟ عالم میں اتنا
کیا خاک ہے راج مسکوں میں لا جواب!

نگاہوں میں پھرے گی وہ بہار رنگ و بو برسوں

رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

قبلہ! کراچی اتنا بڑا شہر ہے کہ ایک طرف سمندر اور دوسری طرف سندھ کے رگستان کو نخل میں دبا
بیٹا ہے مگر فداے عظیم و خیر شاہد ہے کہ نفاست و نزاکت میں لکھنؤ تو خیر لکھنؤ ہی ہے۔ ناکوری اور ملیح آباد
بھی بہر اتنا اس شہر پر فائق ہیں۔ حد ہے اس شہر میں کنوؤں کا پانی تک میسر نہیں۔ تل لگے ہوئے ہیں ہر فلیٹ
میں! گرم اور کھانا پانی پتے جاؤ اور جتے جاؤ۔

قبلہ و کعبہ! آپ واقعی یہ سن کر تعجب فرمائیں گے کہ باوجودیکہ غلام کو کراچی میں رہتے ہوئے ایک
سال ہو گیا۔ ہاں ایک سال ہی سمجھئے، شاہ مدار کے مہینے میں لکھنؤ سے چلا تھا اور اب جب ہے تو اس ایک سال
میں غلام کراچی کا صرف ایک چوتھائی حصہ دیکھ پایا ہے اور اگر غالباً عمر بھر فدوی یہاں رہا تو فدوی اس سے
زیادہ نہ دیکھ سکے گا کیوں؟ اس لئے کہ قبلہ کو شاید یقین نہ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ کراچی عجیب ترکیب سے بنا ہے ان
فرنگیوں نے بھی غضب کے کاٹنا سکھائے ہیں۔ اب دیکھئے کہ کراچی کی تعمیر میں بھی ظالموں نے کیا فکرت پیدا
کیا ہے؟ شہر کا ایک چوتھائی حصہ تو زمین پر آباد ہے اور تین حصے ہوا میں۔ فدوی نے کراچی کا صرف وہ حصہ
دیکھا ہے جو زمین پر آباد ہے اور وہ تین حصے جو کراچی کے ہوا میں معلق ہیں کبھی نظر سے نہ گزرے۔ گندے کیسے،
فدوی جب بھی بلندی کی طرف دیکھتا ہے چکر اگڑ پڑتا ہے، سر گھومنے لگتا ہے اور یہ کہ۔ اٹھانے اٹھاتے

گردن کو لٹوہ مار جاتا ہے۔ شروع شروع میں ایک آدھ مرتبہ کوشش کی کہ کراچی کی فلک منزل عمارتوں پر نظر ڈالوں، مگر ایک طرف تو لڑپنی سے ہاتھ دھونے پڑے اور دوسری طرف گردن اینٹھ گئی، بس اسی وقت سے کان پھڑکنے اور عہد کر لیا کہ کچھ بھی ہو فدوی آئندہ ایسی جرات نہ کرے گا جس میں جان جائے اور گردن توڑ دینے کا احتمال الگ ہو۔ نعوذ باللہ من شرور انشاء من سیئات اعمالنا (ترجمہ)

(الہی پناہ میں رکھ ہم کو ہمارے نفسوں کی شرارت اور بد اعمالی سے)

پیر و مرشد!

غلام کو اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ہے کہ اسے صرف چوتھائی کراچی کے حالات کا علم ہے بقیہ تین حصوں کے کیا حالات ہیں اس کو تو وہ علام الغیوب ہی جان سکتا ہے اور یہاں ہاں کے رہنے سہنے والے! معاف کیجئے گا میں پھر موضوع سے بہک گیا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ لکھتے کراچی میں کس کس چیز کی ضرورت ہے تاکہ اسے یہاں سے بھیج دیا جائے۔ قبلہ! ہر چیز کی تکلیف ہے۔ ہائے لکھنؤ کے مہو بہ پان، ہائے لکھنؤ کے چمپنی خربوزے گوشتی کے ریت میں پکے ہوئے جنگلی خربوزے، ہائے میرمد علی کی دکان کی بالائی، ہائے مزابانکے کی دکان کے کباب، ہائے فخر کا بدار کے ہاتھ کی بریانی، ہائے ملج آباد کے سنیکر، ہائے منڈلیہ کے موی چور کے لٹو، بس آبا جان۔ غلام ہے اور کراچی۔ اور ہائے ہائے! یہاں بالائی کے بجائے اس کریم کھائی جاتی ہے۔ تو بہ تو بہ! پانوں کے متعلق نہ پوچھئے جیسے بھینے کا چمرا کہ نہ چبائے جاسکتے ہیں نہ نگلے جاسکتے ہیں، نہ جانے کراچی کے لوگ کتنے اور چونسے ان لیچ پتوں پر کون سا سال لگاتے ہیں؟ قبلہ خربوزوں کے بارے میں کیا عرض کروں، جناب امیر کی قسم ان لوگوں کو یقین ہی نہیں کہ خربوزہ نام کا کوئی پھل خالق اکبر نے خلق کیا ہے یہ تو صرف پیسے کو جانتے ہیں کیا عرض کیا جائے کہ پیسٹیا کس بلا کا نام ہے؟ ایک کروڑ کیسی، بسا ہندی ادھیکی چیز ہوتی ہے۔ میں تو اس کو پھل سے یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا خدا جانے اس جنتی پھل سے فائدہ کیا ہے؟ اور کباب سر پیٹ لینے کا تمام ہے، یوں تو دکانوں پر شامی کباب کا دیدار دیکھ کر دیکھ کر کباب بھی نظر آتے ہیں۔ مگر آبا جان اونٹ کے گوشت کے، لاول ولاقوہ حضرت قبلہ! مجھے تو ہر اس چیز کی ضرورت ہے جو لکھنؤ کے شرفاء کا معمول ہے نعوذ باللہ! اس قدر مذاق ہیں یہ لوگ کہ واللہ کپڑے پھاڑ کر صحنے سندھ میں نکل جانے کو ہی چاہتا ہے، اب میں حضور کی معلومات کے لئے کراچی کے مختصر حالات جغرافیائی اور تاریخی نقطہ نظر سے عرض کرتا ہوں۔

”محل وقوع“

اس کم بخت شہر کا محل وقوع اب تک نہ معلوم ہو سکا۔ تحقیق و تدقیق سے صرف یہ بتا چلتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ طرف یہ ہرگز نہ تھی جس کا نام غالباً ہجر الکامل ہے متصل تھا اور دوسری طرف صحرائے سندھ سے! اب کراچی کا صحیح جغرافیہ اس وقت تک متبہ ہونے سے رہا۔ جب تک صحرائے سندھ اور سندھ کی مکمل حد بندی نہ کر لی جائے۔ اور یہ کسی ذہنی خیال کے امکان میں بھی نہیں۔ محل کلام یہ کہ کراچی کے محل وقوع کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ بھی اس کا جغرافیہ معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر جغرافیہ تو ایسے شہر کا معلوم کیا جائے تو اپنے مقام پر ساکن ہو۔ آبا جان قسم چھوٹے حضرت کی، کراچی ان شہروں میں ہے جو مسلسل رواں دواں ہیں اور اس خوبصورتی سے کہ کیا مجال کسی کو پتا چلے کہ آج کراچی نے کتنا راستہ طے کیا؟ بہر حال راستہ ضرور طے کیا، اس میں کسی کو شبہ نہیں۔ جب میں نے اس لبتی میں قدم رکھا تھا تو اس کی ایک حایل اور ایک حد ریل تھی۔ پچھلے نو ہینڈ میں یہ شہر کئی فرلانگتیل سے آگے نکل گیا ہے۔ کچھ ریل کی چال سے چلا، مگر چلا ضرور۔ سبحان اللہ! کیا عجائبات قدرت ہیں سچ ہے اگر وہ چاہے تو تھیلوں کو قوت مردانہ اور پہاڑوں کو غرض متنازعہ عطا فرما دے روزانہ یہ شہر انچوں نہیں گزروں کی رفتار سے گامزن ہے اگر سی رفتار ہی تو آبا جان ایک روز آپ نہیں گئے کہ کراچی پا پیا وہ سندھ کا صحرا طے کر کے پنجاب کی حدود میں داخل ہو گیا اور اب دلی کی طرف رخ ہے جبکہ یہی حالات یہاں تو کوئی کیا اس شہر کا محل وقوع لکھ سکتا ہے؟.....

”آبادی“

سنایا ہے۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ اس شہر میں فرشتے آباد تھے۔ یعنی یہی مخلوق جس کے لئے نہ موت خلقت کی گئی ہے نہ رزق آمارا گیا ہے اگر کراچی کے پچھلے باشندے ہماری آپ کی طرح انسان ہوتے تو یقیناً اس شہر میں قبرستان بھی ہوتے۔ لیکن آپ کے فرق مبارک کی قسم جب باہر والے اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کوئی قبرستان کراچی میں نہ پایا۔ سو عقلمار اس نتیجے پر پہنچے کہ کراچی کے سابقہ باشندے غیر فانی زندگیوں کے مالک تھے اور کبھی موت کے ذائقے سے آشنا نہ ہوتے تھے۔ ساتھ ہی وہ کھانے پینے کے جھگڑے سے بھی آزاد تھے کیونکہ آبا جان معدہ والے جانور تو ستہ ضروریہ (چھ ضروریات زندگی) کی تکمیل پر مجبور ہوتے

لے یہاں مرزا صاحب سے جغرافیہ کی ایک سخت غلطی سرزد ہوئی ہے کراچی سے متصل جو سندھ ہے اس کا نام ہجر الکامل نہیں بلکہ یہ

ہیں۔ لیکن کراچی کے مکانوں میں مجھے کہیں بیت الخلا نظر نہ آئے۔ خور و نوش اور پل دراز لازم و ملزوم ہیں۔ کراچی میں اس وضع کے بیت الخلا تو کہیں دیکھے نہیں، جن کے ہم لکھنؤ میں عادی تھے۔ خدا کا اس شہر کے پہلے باشندے یہ فطری ضرورتیں کیسے پوری کرتے تھے۔ اغلب ہے کہ نہیں کرتے تھے اور خالص لوانی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ انہیں وہیہ کے پیش نظر احقر کا خیال یہ ہے کہ کراچی کی کھلی آبادی انسانی آبادی نہ تھی۔ وہ لوگ یا جن تھے یا بھوت یا فرشتہ۔ فی الحال کراچی کی آبادی کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ عالم یہ ہے پروم شد کہ ”کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔“ بیان مٹی نے کنبہ چڑا، ”ایس میں مضرب پر کرتیں تحقیقات کر رہا ہے کسی اگلے سر لینے میں غلام اپنی تحقیقات کے معقل نتائج سے مطلع کرے گا۔“

”تجارت و صنعت و حرفت“

کراچی تجارتی اور صنعتی نقطہ نظر سے درجہ پس ماندہ ہے۔ بھلا جس شہر میں گو ”کناری کی صنعت نہ ہو، کامدانی اور زرگری کی دستکاری کوئی نہ جانتا ہو، بیلے چنبیلی کے گہرے بنانے کا ہنر لوگوں کو معلوم نہ ہو، صر ہے اچکن اور فرغل تک کا سینے والا نہ مل سکتا ہو، مٹے کاری، منبت کاری، نقاشی، پتنگ سازی.... بیچہ بندی، تان بنانی اور خطاطی کے کمالات کا کوئی نام بھی نہ لیتا ہو۔ گل دوزی، عطر سازی، خمر سازی سے ناواقفیت عام ہو۔ اس شہر کی تجارت اور صنعت کے متعلق بھلا کوئی کیا رائے قائم کر سکتا ہے؟ آبا جان یہاں کوئی چیمبر نہیں بنتی۔ یہاں کوئی صنعت موجود نہیں۔ اگر آپ کو ایک ٹکینے پر نام کندہ کرانا ہو یا شل چنبیلی کے پھولوں کی جڑھی تیار کرانا ہو تو غضب فاکا، اتنے بڑے شہر میں ایک بالمال بھی ان فنوں کا جاننے والا نہ ملے گا۔ اور آخر کراچی میں صنعت اور تجارت کی گرم بازاری ہو تو کیسے ہو؟ درزیوں کو بامدانی اور منریب کے اچکن سینے اور اپنا ہنر دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کم خبت بوشمرٹ نامی ایک نیم برہنہ لباس شہریوں کا پہناو بن چکا ہو۔ کلاہ سازی کی صنعت اول تو اس شہر میں خدا کے فضل سے موجود ہی نہیں، اگر شہر کے کسی گوشے میں کوئی کلاہ ساز پڑا ہے تو عنقریب بھاگنے والا ہے۔ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے گویا یہ اتفاق رائے یہ رزوایشن پاس کر لیا ہے کہ لٹپٹی پہنا لازمہ شرافت نہیں جس کو دیکھو ننگے سر! چلتے صفا قصہ ہی تمام ہو گیا۔ عطر لگانا بھی یہ لوگ نہیں جانتے۔ بہت کریں گے تو کریم کی قسم کی کوئی حماقت ہاتھ سے گالوں پر مل لیں گے۔ ہائے سلیم شاہی چوتوں اور مخملی کفشوں اور نرم پاپوشوں کے لئے جی کیسا کیسا پھرتا

ہے؟ مگر کراچی والے کیا جانیں کہ یہ چیزیں کیا ہوتی ہیں؟ یہاں عام طور پر بجاری سینڈل اور پٹا اور
 چپل پہنے جاتے ہیں۔ گویا کراچی والے شہر میں لتیرے کھینٹے پھرتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا! اب سر
 کا پہناؤ ملاحظہ ہو۔ دیہاتی لڑکیاں، صافے، عمامے، عریضے کش کیپ، قاپاری کیپ، سر کے یہ سارے
 پہناؤ خارج ارفیشن ہیں۔ ایک کلاں پانچ قسم کی بالوں وار لڑکی یہاں وقت ضرورت سر پر منڈھ لی جاتی ہے
 اگرچہ سر کا عام شعار ننگے سر رہنے کا ہے، تاہم کبھی کبھار تقریبوں میں سر ڈھانکا جاتا ہے تو دوسرے معصوم
 ہوتا ہے کہ حضرت سر پر کبھی کا بچہ جھانے چلے آ رہے ہیں، واللہ کیا منظر دینا ہے؟

”دوسرا عرصہ“

ازکراچی۔ پایہ تخت پاکستان
۲۲ مئی ۱۹۵۰ء میلادی (مستحق)

قبلہ کوئین و کعبہ دارین مدظلہ العالی!

فدوی بکمد الشد بخیریت ہے اور یہ بیت قبلہ و کعبہ کی مع جناب والدہ صاحبہ و خواہر محترمہ دھپوٹی بیٹیا
ولوزن ماما و تقو خاں چو بدار و نذر بخش ملازم و بہادر مرزا و صف شکن شاہ بشیر (اس مقام پر اپنی وضاحت
ضروری ہے کہ اپنے مرزا صاحب اپنے مرغ کو جس کا نام بہادر ہے اور بشیر کو جس کا لقب پنڈت زن ناتھ سرشار کے
ضمانہ آزاد کی پیروی میں صنف شکن شاہ رکھا ہے بے حد پیار کرتے ہیں۔ یہ دونوں لکھنؤ ہی میں ہیں اور اچھے مرزا
اکثر خطوں میں مرغ اور بشیر کو یاد کر کے آنسو بہاتے ہیں) بد رگاہ الہی نیک مسلوب..... و دیگر احوال یہ ہے کہ
جب بہادر اور صنف شکن شاہ کا خیال آتا ہے قسم چپے شہادت کی سینے پر کٹار کا زخم لگتا ہے مگر کیا کر سکتا ہوں
قبلہ نے اپنے پچھلے شفقت نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ بہادر چند روز سے رست ہے۔ یہ خبر بڑھ کر جو صدمہ عظیم
روح پر گزرا اس کو یا تو میرادل جانتا ہے اور یا دلوں کا حال جاننے والا!..... قبلہ! بہادر بڑا غیور اور خود دار ہے
یقیناً چھپتی بیٹیا (مرزا صاحب کی چھوٹی بہن کا عرفی نام) یا ولوزن یا نذر بخش نے اسے تنگ کیا ہوگا۔ والدہ محترمہ
سے فرما دیجئے گا کہ بہادر اور صنف شکن شاہ کو سانچہ سویرے ٹاپے سے نہ نکلنے دیں کیونکہ جن کا خون کنوارا ہوتا ہے
اُن پر اوپر والیوں کا اثر جلدی ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے بہادر پر کسی کا سایہ پڑ گیا ہو۔ از برائے خدا کسی عامل سے
پوچھئے کہ اس قدر سستی، منمحلان اور ناسازگی مزاج کا سبب کیا ہے؟ صنف شکن کی صحت کی طرف سے بھی
پریشان ہوں وہ ذرا خفقاتی المزاج واقع ہوا ہے پھلی گرمیوں میں تو میں خود موجود تھا اور اسے میدانہ اور کاشی
کا افشردہ پلا مار ہاتھا۔ میری درخواست ہے کہ اس متبہ کسی یہ متبول مانع نہ ہونے پائے۔ چھوٹی بیٹیا سے فرما دیجئے
گا کہ وہ دونوں کو کر بلائے نال کٹوہ پر لے جا کر چھوٹے حضرت کی ضامنی میں دے دے۔ ہر وقت اس جامع المتفرقین
کی درگاہ میں دست بدعا ہوں کہ مدت جدائی کوتاہ ہو اور بچھڑے آپس میں مل جائیں۔

اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار۔

نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

پچھلے عرصے میں غلام نے کراچی اور سندھ کے جغرافیہ، آبادی اور صنعت و حرفت کے متعلق جو
نکتے عرض کئے تھے معلوم ہوا کہ وہ ہنوز تشہ ہیں اور بہت باتیں لکھنے کو رہ گئی ہیں۔ فردوسی کو یہ سکت
حال ہی میں تحقیق ہوا ہے کہ سندھ کا صوبہ پہلے ممبئی کے صوبے سے جڑا ہوا تھا۔ الشار تاملے قائد اعظم کو
جواب رحمت میں جگہ دے کر انہوں نے ۱۹۳۵ء میں اسے کاٹ کر ممبئی سے الگ کر دیا۔ بعض ضلعوں نے قسمیں
کھا کھا کر غلام سے بیان کیا کہ یہ واقعہ صحیح ہے اور پرانے پرانے سندھیوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ مگر مین نے خود
پیر الہی بخش اور یتیم خانہ مرتضیٰ (جن کو انگریزوں نے کسی کتاب کی بنا پر حکم دیا تھا کہ وہ اپنا نام مخفی کر کے
جی۔ ایم بستیہ لکھا کریں) اور دوسرے بزرگان سندھ سے اس روایت کی تصدیق کی اور سوال کیا کیا واقعی
سندھ ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء سے پہلے ممبئی کے صوبے کے ساتھ پیوست تھا؟ انہیں اول اول تو فردوسی کی
تاریخ دانی پر حیرت ہوئی پھر پوچھنے لگے پس بتاؤ تمہیں آنا پرانا واقعہ جس کا علم پناہ گاہوں میں کسی کو نہیں
کیسے معلوم ہو گیا۔ جب میں نے ملا حسین واعظ کاشفی کی بحوالہ انفسہ یہ سن کی شنیدی بدرمیدہ اور مینی کی داستان
امیر حمزہ جیسی تاریخی کتابوں کا حوالہ دیا تو قائل ہو گئے اور کہنے لگے ہاں سنی! ہمیں اچھی طرح پوش آگیا تھا جب
کی بات ہے کہ سندھ ممبئی کے صوبے سے باقاعدہ کاٹ کر الگ کیا گیا تھا اور برقی کا یہ عمل قائد اعظم مرحوم کے
حکم سے عمل میں آیا تھا تو پھر آجا جان! اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کی صحت عقل سے نہیں تو پھر نقل سے ثابت ہے
ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود کراچی کا شہر ممبئی کے شہر سے لب بہ لب سینہ بہ سینہ ہوگا۔ جس طرح سندھ کے
صوبے کو ممبئی کے صوبے سے قطع کیا گیا ہے اس طرح خود ممبئی کے شہر کی قطع برید کر کے کراچی کو برآمد کیا گیا ہوگا، یہاں تک
تو یہ مسئلہ صاف ہے۔ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس شہر کو ممبئی سے سندھ میں لانے کس طرح؟ موجودہ تاریخی
اس سوال کا جواب نہیں دیتیں۔ انتظار کرنا چاہیے شاید مستقبل میں کوئی ڈرنج پیدا ہو اور اس عجیبہ تاریخی گتختی
کی سلجھا دیے۔ آدم بکسر مطلب یعنی سابقہ خط میں کراچی کے محل وقوع اور جغرافیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا
ان مضمون پر حسب ذیل معلومات سے مزید روشنی پڑتی ہے۔

آب و ہوا

قبلہ و کعبہ! حضور متعدد شفقت ناموں میں کراچی کی آب و ہوا کے بارے میں پوچھ چکے ہیں اور فردوسی

۱۔ معات کی مشہور کتاب

حیران ہے اس سلسلے میں کیا لکھے؟ بہر حال تعمیل حکم میں جو کچھ معلوم ہے، پیش کرتا ہے۔ پہلے ہوا کا ذکر مناسب ہے کراچی میں ہوا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خاص ہوا، دوسری عام ہوا۔ خاص ہوا صرف اُمراء، حکام اور لیڈروں کے لئے ہے۔ یہ قدرت کا عطیہ نہیں، انسانی کا پگری ہے۔ ہر بڑے آدمی کے گھر میں ایک دو تین چار پانچ دس بیس کلبی کے پنکھے ہیں... جب ان لوگوں کا ہوا کھانے کو جی چاہتا ہے یہ پنکھے کس جاسم سے، کہہ کر کھول دیتے جاتے ہیں اور جنت کی ہواؤں کا لطف آنے لگتا ہے اب یہی عام ہوا جو ہم جیسے چھٹ بھٹیوں کے لئے ہے، یہ ہوا دو علاقوں سے اپورٹ کی جاتی ہے۔ بصرہ اور کوئٹہ، کوئٹہ سے براہِ خشکی آتی ہے اور بصرہ سے سمندر کے راستے! سمندر سے ہوالا نے نہیں بہت کم خرچ پڑتا ہے اور خشکی سے اپورٹ کرنے میں بڑی وقت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سمندر میں راستے سے دھیروں بلکہ ٹنوں ہوا ہر گھنٹہ اپورٹ ہوتی ہے اور کوئٹہ سے سال کے خاص خاص موسموں میں ”ٹھنڈی ہوا“ اپورٹ کرنے کا لکشن ملتا ہے سمندر کے راستے جو ہوا کراچی میں درآمد ہوتی ہے اس کی تقسیم بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ کمترین نے سابق عربین میں تحریر کیا تھا کہ فرنگیوں نے کراچی کو غلبہ ترکیب سے آباد کیا ہے کہ ایک حصہ زمین پر آباد ہے اور تین حصے ہوا میں۔ غلام نے کراچی کی آبادی کا صرف وہ حصہ دیکھا ہے جو زمین سے متصل ہے تو قبلہ! کراچی کے اس حصے میں ہوا کا راشن مقرر ہے، دن اور رات کے خاص خاص حصوں میں ہوا کا گزران پست و حتیہ اور نیم مارکیٹوں میں ہوتا ہے اور وہ بھی اس قدر احتیاط کے ساتھ کہ معاذ اللہ! ہوا کے بڑے بڑے ”دھچ کوئٹیں“ والے اور بنگلیوں والے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر لمبیک ماکیت کرتے ہیں ہوا کی۔ منوں بلکہ ٹنوں ہوا خود ان کوٹھیوں میں کسپ باقی ہے اور تنگ دامریک فلیٹ والے محروم رہ جاتے ہیں، بازاروں اور کوچوں میں بسبب بھیڑ جہاز کے ہوا کی اکثر قلت رہتی ہے۔ بند روڈ اور صدر پر تو صبح و شام ہوا شکر سنگریٹ اور کپڑے کی طرح اکیر کے مول بکتی ہے تو قبلہ و کعبہ یہ ہے کراچی کی ہوا۔ پانی کی صورت حال تحقیق کر کے آئندہ عربینے میں تحریر کی جائے گی۔

فقط

خادم

اچھے مرزا

لے اس زمانے میں کراچی ”ایئر کنڈیشن“ سے پوری طرح آشنا نہ ہوا تھا۔

تیسرا عریضہ

اچھے مزا بنام مزا پھو یا مظلہ العالی

قبلہ آبا جان !

راقم السطور الحمد للہ بخیریت ہے اور خیریت آنجناب کی مع متعلقین بدرگاہ الہی نیک مطلوب دیگر احوال آنکہ کراچی میں ماد مبارک شریع ہو گیا ہے اور آج الحمد للہ بند کا پہلا روزہ ہے۔ افطار میں تیس منٹ سترہ سکند باقی ہیں۔ پریشان تہا کہ یہ طویل مدت کس طرح گزاریں؟ اچانک خیال آیا کہ حضور آبا جانی کی خدمت میں نیاز نامہ بھیجے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں۔ لاؤ اتنی دیر میں خط ہی لکھ ڈالیں۔

قبلہ و کعبہ! کراچی کا دعویٰ ہے کہ وہ مرکز اسلام ہے اور بنظاہر ہے بھی۔ لیکن اصل مرکز اسلام تو ارض حجاز ہے جہاں سے نور و ہدایت کے سرچشمے ایلے اور بحیر کی پہلی صد آگونی۔ ارض حجاز کے ہوتے کراچی کا یہ دعویٰ کہ وہ اسلامی دار الخلافہ ہے صریحاً گستاخی تھا۔ چنانچہ اس سال کراچی کو اس گستاخی کی سزا مل گئی اور وہ اس طرح کہ کراچی کے مسلمانوں کو ہلالِ رمضان سرے سے نظر ہی نہ آیا۔ حجاز شریف میں رویتِ ہلال جمعہ کے روزہ ہوئی اور دنیا بھر کے مسلمانوں میں رویتِ ہلال کا شرف سب سے پہلے اہل حجاز کو حاصل ہوا مگر کراچی والے اتنے بد نصیب تھے کہ ہفتہ کے دن بھی وہ ہلالِ مبارکِ رمضان کی زیارت سے محروم رہے یعنی والتد سر پیٹ لینے کا مقام ہے کہ حجاز شریف میں یاروں نے جمعہ کو چاند دیکھ کر مزے سے روزے شروع بھی کر دیئے اور ہم لوگ کہ قرائد مقاصد پاس کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم نے اسلام، قرآن اور فدا پر معاذ اللہ قابلِ تلافی احسان کیا ہے۔ رویتِ ہلال کے چوبیس گھنٹے بعد بھی اس واقعہ سے بے خبر تھے کہ اس کرۂ ارض پر رمضان شروع ہو گیا ہے، بخدا کیاستم ظریفی ہے؟ جب ہفتے کی شام کو بھی چاند نظر نہ آیا تو سب لوگ گھبرا گئے۔ مولویوں نے میٹنگ کی، حکام شہر نے مشورے کئے اور آخر یہ طے پایا کہ زمین پر تو چاند کی کوئی خبر نہ ملی آؤ آسمان پر چل کر پوچھیں کہ بھئی آج ہلالِ رمضان نمودار ہو گا کہ نہ ہو گا؟ ہمارے مولوی ہمیشہ سے بلند پرواز واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز کو رو بہ عمل لانے کی

نذر داری بھی انہیں (نفوسِ قدسیہ) نے قبول کی۔ جرگہ علما میں سے چند مضبوط دل والے مولویوں کا انتخاب کیا گیا اور انہیں پاکستانی قضائیت (پی۔ آر۔ اے۔ ایفٹ) کے ایک باربر وارٹیکلے میں سوار کر کے عالمِ بالا کی طرف ارسال کیا کہ جاؤ چاند کی خبر لاؤ! انجاس کار حضرت علما کی یہ جماعت جو ابھی تک اہل زمین کے مسائل نہیں سلجھا سکی عالمِ بالا کے اسرار معلوم کرنے کے لئے آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ!

تو کار زمین رائکو ساختی
کہ با آسمان تیر پرواختی

بندہ کو تحقیق نہ ہو سکا کہ جو علما اہل طیارے میں سوار ہو کر چاند کا پیچھا کرنے گئے تھے انہوں نے آسمان پر کس سے یہ پوچھ گچھ کی؟ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد علما کرام کا یہ مقدس طائفہ بذریعہ طیارہ زمین پر نازل ہوا اور یہ خبر لایا کہ عالمِ بالا میں سب خیریت ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت چاند کے بارے میں کیا نصیحتیں؟ بعض مقدسین نے رویتِ ہلال کی تصدیق کی اور بعض نے سکوت اختیار کیا۔ بہر حال اس آسمانی رپورٹ کے نتیجے میں اعلان کر دیا کہ رمضان کا چاند نظر آگیا۔ چنانچہ قبلہ! آج پہلا روزہ ہے اور غلام یہ سطور اس عالم میں تحریر کر رہا ہے کہ روزہ کو توڑ دینے والا سارن اپنی پوری بھیانک آواز کے ساتھ چیخ کر افطارِ صوم کا اعلان کر رہا ہے اور بندہ درگاہِ سارن کے شور سے بے پروا قلم دوات سے مصروف ہیں۔

آبا جانے!

حجاز شریف میں شہر مبارکِ رمضان کا چاند مجھ کو نظر آیا اور یہاں پہلے کوئی نظر نہ آیا، ندوی کے خیالِ ناقص میں قدرت کی طرف سے اہلِ کراچی کو ایک زبردست تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ تم کتنی ہی ”اسلامی قراردادیں“ کیوں نہ پاس کر لو اور کتنے ہی اسلامستان کیوں نہ بنا لو کارکنانِ عالمِ بالا کی نظر میں ان شعبہ بازی کی کوئی وقعت نہیں، قدرتِ عمل کو دیکھتی ہے قول کو نہیں سمجھتی۔ بندہ نے تو اس واقعے کے بعد سے نوراکان پکڑ لئے کہ کبھی قرارداد مقاصد کا نام لے گا اور نہ پاکستان کی ”اسلامیت“ کا ڈھنڈورہ پیئے گا۔ قبلہ! پانی کے دو گھونٹ اور خرے کا ایک دانہ کھا کر پھر عریضے کی جانب متوجہ ہوا ہوں جس مکان میں ندوی قیام پزیر

ہے وہ ایک ایک بہت بڑی کوٹھی کے زیرِ سایہ واقع ہے اس کوٹھی میں جو صاحب مقیم ہیں، وہ ماشاء اللہ بہت بڑے عہد دار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان کی سب سے بڑی اسلامی حکومت میں ممدوح کو بہت بڑا منصب حاصل ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کی داڑھی پاکستان کی اسلامیت کا مقیاس الوزن (تولنے کا آلہ) ہے جب پاکستان قائم ہوا تو یہ مسلمان انڈر سکرٹیری ”صاحب“ ہر طرح فارغ البال یعنی بے ریش و بروت تھے۔ چار ابرو کا صفیا کیا کرتے تھے چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کا پہلا سورج اُن کے چہرے پر اس طرح طلوع ہوا کہ جن گالوں پر صفائی اور پاکیزگی کے سبب برفستان ٹنڈرا کا گمان ہوتا تھا اُن پر روحانیت کی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے پہلے سال میں ان زمانہ شناس انڈر سکرٹیری کی داڑھی کی فصل بہت کمزور اچھڑی رہی۔ لیکن دوسرے سال ماشاء اللہ چشم بد دور کھسکتی خوب چلی پھولی اور جب ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان پارلیمنٹ نے قرارداد مقاصد پاس کر کے حکومتِ الہیہ کے قیام کا اعلان کیا تو ان بزرگ نے پوری قرارداد مقاصد مہندی اور خضاب کے طور پر لگوا اپنی داڑھی کی افزائش کے لئے استعمال کر لی اور اب ان حضرت کا ڈاڑھا (داڑھی کا مندر) اپنے طیل و عطر اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے.... سر سید احمد خاں مرحوم اور نواب حسن الملک کی تاریخی داڑھیوں کا انتہائی کامیابی سے مقابلہ کر سکتا ہے ان کے مصاحبین کا خیال ہے کہ انشا اللہ جوں جوں پاکستان ترقی کرتا جائے گا ان پاکستانی انڈر سکرٹیری صاحب کی داڑھی بھی گنجان اور طولانی ہوتی چلی جائے گی اور ایک روز وہ وقت آئے گا کہ عوں الہی کہ اس داڑھی کے بال بال سے پاکستان کی ترقی کا استناد کیا جائے گا اور کوئی تعجب نہیں کہ یا رانِ طریقت جس استقلالِ پاکستان کے ساتھ ہر سال اس ”داڑھی عظیم“ کا عرس بھی منایا کریں۔ آبا جان! ایسے بزرگوار کا ہمسایہ بن کر فدوی کو یقین تھا کہ اس سال ماہِ مبارکِ خوب گزے گا۔ چنانچہ آج جب کہ پہلا روزہ تھا.... خادمِ علی الصباح (عتم کا پارہ لے کر) حضرت کی کوٹھی پر حاضر ہوا تاکہ ہو سکے تو کلامِ پاک کی تفسیر کا درس لے معلوم ہوا کہ موصوفِ درّانگِ روم میں تشریف فرما ہیں۔ نوکرنے کا رُوحِ پنجابیا طلبی کا حکم لایا، خادم کو سو فیصدی یقین تھا کہ آں ممدوحِ تلاوتِ کلامِ پاک میں مصروف ہوں گے، اندک کیا تو دیکھا کہ نورانی داڑھی سگریٹ کے پے پے کشوں سے دھواں دھار ہے اور حضرت کے ہاتھ میں ہالی وڈ میگزین کا تارُ اخبار ہے اور وہ صفحہ زیرِ مطالعہ ہے جس پر لیکر لیسوں کی عریاں تصویریں چھپا کر تی ہیں۔ انا للہ وانا علیہ راجعون.... قبلہ! آپ باسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر فدوی کو کس قدر

روحانی تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن ان بزرگ کے مشفقانہ تبسم نے بندے کی تہمت بندھائی۔ انہوں نے ازراہ خوش اخلاقی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تعمیل حکم کے بغیر چارہ نہ تھا۔ بندہ عاجزی کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور کلام پاک غسل میں دبا لیا۔ خیر سلا کے بعد حضرت نے سگریٹ پیش کیا تو فدوی نے روزے کا عذر کیا حیرت سے کہنے لگے ”افاہ! روزے شروع ہو گئے ایک عظیم الشان اسلامی ڈاڑھی کے مالک کی زبان سے روزہ کے متعلق اجنبیت اور بیگانگی کے یہ کلام سن کر غلام شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اپنی حماقت پر لا حول اور اُن کی اسلامیت پر انا اللہ پڑھتا ہوا مسلمات کے کمرے سے باہر نکلا۔ کوٹھی کے دروازے پر دیکھا کہ ایک بوڑھا پتھان مونڈے پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ غریب اس کوٹھی کا چوکیدار ہے تب فدوی کو اندازہ ہوا کہ رمضان شریف اس کوٹھی کے دروازے تک پہنچے ہیں۔ انہیں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور تہمت ہوتی بھی کیسے؟ ایک انڈسکریٹری کے گھر میں مداخلت آسان ہے؟ اباجان! روزہ نماز کے سلسلے میں جو عالم ان بزرگ کا ہے۔ کراچی کے طبقہ حکام اور جماعتِ امرا کی اکثریت کا حال یہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سب پیچھے پاکستانی ہیں۔ انہوں نے دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے دن رات کام کیا ہے۔ یہی اسلامیت اور خدا پرستی تو اچھا ہے کہ اس موضوع کو نہ چھیڑا جائے، نہ جانے مرزا داغ دہلوی کا شعر ہے یا حافظ شیرازی کا۔ بہر حال شعر ہے خوب۔ اور اس موقع پر کس قدر بحال۔

عرض کرتا ہوں ۛ

گر مسلمان ہیں است کہ حافظ دارد داتے! اگر پس امروز بود فردائے کراچی میں سرکاری طور پر رمضان آج سے شروع ہو چکا ہے۔ لیکن عملی طور پر بھی بزرگ بحسب ریاری کو اڈر را اور چاکو ارہ کے کہیں نظر نہیں آئے۔ سیدہ شرم رضا صاحب نے ہوٹل کے مالکوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اتر ماہ صیام کو ملحوظ رکھیں۔ یہ اتر ماہ اس طرح سے ملحوظ رکھا گیا کہ آج سے تمام ہوٹل، تمام چائے خانے اور تمام رستورانز برقعہ پوش ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اُن کے صدر دروازوں پر حقین اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور اندر سب کام چالو ہیں سیدہ شرم رضا صاحب نے سیدہ شرم رضا۔ ناظم کراچی

کنے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور گاہکوں کی خوشنودی کا سامان بھی مہیا کر دیا۔ اب کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟

مختصبا درون خانہ چہ کار
آج فدوی ساری دوپہا شہر میں گھوما اور فدوی نے ہر جگہ اسی قسم کے مناظر دیکھے انشا اللہ یہ شرط فرصت کسی آئندہ عریضے میں کراچی کے رمضان شریف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ فی الحال یہ عریضہ ختم کرتا ہوں۔

فدوی۔ اچھے مرزا

مرزا جی کے مشترک خط بندہ کے ہاتھ آئے ہیں۔ نہ جانے اس کے بعد موصوفے اپنے والد ماجد مرزا پھوپھا صاحب قبلہ کو عریضے بھیجے بند کر دیے یا ان کی نقول محفوظ نہ ہیں..... سبہ حال اس خط کے بعد جتنے خط کراچی سے لکھنؤ روانہ کئے گئے ان کی نقول بندہ کے پاس نہیں ہیں..... بحیثیت خطوط سے قطع نظر، آئندہ صفحات میں مرزا صاحب کی طبع گل یز کے دو سر کرشمے ملاحظہ فرمائیے۔

کراچی میں

نواب چھ مرزا صاحب قبلہ

کی مٹرکشت

دو تین ہفتے سے مرزا صاحب قبلہ صاحب فریش یعنی بستر گیر تھے۔ علالت تو کوئی ماں نہ تھی بس نزلہ و زکام کی شکایت ہو گئی تھی، البتہ تشویشناک امر یہ تھا کہ اسی زمانے میں کسی شقی نے یہ جڑ دی کہ مرزا صاحب پر جادو کرا دیا گیا ہے اور غالباً اس میں حکومت کا ایما شامل ہے تاکہ بہ نصیب اعداء مرزا صاحب قبلہ جادو کے زور سے کھٹی یا پھر بن کر رہ جائیں اور حکومت انکی تیغ زباں اور یا زبان تیغ کے زخموں سے محفوظ ہو جائے۔ مرزا صاحب کو یہی وہم چلتا۔ ایک روز نیاز مند سے فرمانے لگے کہ میاں ذرا فال تو کھلو اور کہ اس علالت کی لم کیا ہے؟ میں نے دست بستہ گزارش کی کہ تداخل فصلیں (موسمی تبدیلی) کے سبب سحر یک نزلہ ہو گئی ہے اور کچھ نہیں مرزا صاحب اس تقریر پر چڑ گئے فرمانے لگے کہ:

”آپ کب سے شفا الملک قرار پا گئے؟ یعنی قسم کلام پاک کی، حیرت ہوتی ہے آپ کے بونگے پن پر۔ یہاں عالم یہ ہے کہ دل پر یو جھ سار ہوتا ہے، آنکھوں کے سامنے ہر وقت سیاہ سیاہ چہرے ناچتے رہتے ہیں۔ راتوں کو بوجوابی ہوتی ہے، کانوں میں طرح طرح کی آوازیں گونجتی ہیں، دماغ اٹا اڑا سا رہتا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ کچھ بھی نہیں، سحر یک نزلہ ہے، اے بھئی یہ سب علامات سحر ہیں، جھ پر جادو کرا یا گیا ہے اور عجب نہیں کہ بنگالی جادو ہوا، آپ کے ذرائع عالی تبار ڈھاکہ جاتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کامروپ ڈھاکہ یا کلبی بن سے کوئی جادوگر وادوگر پکڑ لائے ہوں اور بزورِ سحر

مرزا کو تنگی کا ناچ پنا ہے ہوں۔

خیر صاحب..... مرزاجی کو جادو کی ایسی فری کہ ردیہ کا عمل شروع کر دیا گیا، اب نہ جانے یہ اس عمل کا اثر ہے یا موسم کے سنبھل جانے کا کہ مرزا صاحب مجھدا لٹچاق و چوبند ہو گئے ہیں اور حسب دستور اپنے عموالات ادا فرما رہے ہیں، چنانچہ کل نیاز مند کو ہمراہ لے کر کراچی کی سیر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس مٹگشت کی روداد درج ذیل ہے۔

ناد علی پڑھ کر مرزاجی نے گھر سے باہر قدم نکالا تو ایک اونٹ سے ٹکر ہوتے ہوئے پھینک گئی ہوایہ کہ اونٹ لمبی گردن اٹھائے لمبے لمبے دگ بھرتے ہوئے سڑک سے گزر رہا تھا کہ مرزاجی اس کی جھپٹ میں آ گئے۔ کوئی تعجب نہ تھا کہ حضرت وہیں اونٹ کے ساتھ یک جان دو قالب ہو کر سڑک مار کر شہید کا رتبہ پا جاتے لیکن افضال الہی نے رستگیری کی اور اونٹ مرزاجی کی اس مداخلت فی السڑک کا نوٹس لئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ یہ واقعہ زیادہ سے زیادہ چند لمحے کا تھا۔ لیکن بخدا قیامت کے تھے یہ لمحے مرزا صاحب کا وہ حال کہ کالتو تو لو نہیں بدن میں.... زرد پڑ گئے، پسینے چھوٹ گئے، ہوش اُڑ گئے، مگر داہ سے جو امر دانا بڑا حادثہ اونٹ کی شکل میں گزر گیا اور نہ غش آیا نہ زاف (ساکت و بے خبر) ہوئے، کہا تو یہ کہا کہ رضیہ بالقضاء و تسلیم لا مرہ (ہم خدا کے حکم پر چنی اور اس کے فرمان کو تسلیم کرتے ہیں) پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ بولے کہ آپ کا خیال تھا کہ سحر کا اثر دور ہو گیا ہے مگر قسم چھوٹے حضرت کی ابھی پوپی طرح ”پنڈ“ نہیں کٹا۔ وہ کیسے قبلہ؟ (ہندے نے سوال کیا) کبھی لا حول و لا قوۃ۔ مرد خدا کچھ تو سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا کر، یعنی آنا بڑا اونٹ سامنے سے گزر گیا اور آپ کچھ نہ سمجھے۔ حضرت آپ نے سمجھا دیا ہوتا.... اونٹ اور جادو کا تعلق میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

مرزا صاحب :- (سبیدگی بلکہ تاسف کے لہجے میں) افسوس مرزائے ساتھ آپ کو اتنا عرصہ گزر گیا۔ لیکن نہ دماغ کی صفائی ہوئی نہ ذہن پر چلایا۔ میاں میسر (بزرگانہ شفقت کے لہجے میں) اونٹ کہاں تھا؟ جادو کا شعبہ تھا جو مرزا کو پیشان کرنے کے لئے دکھلایا گیا تھا ورنہ اونٹ کی یہ مجال تھی کہ اس احقر تنگ خلائق پر دست درازی... تو بہ!.... گردن درازی کر سکے؟ لا حول و لا قوۃ۔ قسم قرآن کی اٹھی اونٹ ہوتا تو چونک نہ کر دیتا مردک کو وہ تو کہتے کہ یہ مقدمات ہی او میں اور ان مقدمات میں ہاتھ چلتا ہے نہ زبان۔ جادو کی کاٹ کو جادو ہے بخور طرہ! خیر بچہ دکھائے جاؤ شعبہ دے، ماہ دولت

بھی غافل نہیں ہیں۔ قسم جناب امیر کی جس دن ”لوح طلسمی“ تیار ہوگئی، دیکھو! گا کون نابکار سامنے آتا ہے؟ تم اونٹ تیار کرو گے، ہم ہاتھی بنائیں گے تم مرغ ایجاد کرو گے ہم تلی تصنیف فرمائیں گے۔ تم مکھی بنو گے ہم پتے کا روپ دھاریں گے مگر ذالوح طلسمی تیار ہونے دو۔

خیر صاحب اس حادثہ عظیم کے بعد مزاجی آگے بڑھے، مگر چاروں چول چوکس، ادھر ادھر دیکھتے بھاگتے اور قدم قدم پر دعائے سحر پڑھتے تائیکہ یہ خانہ خراب اور مرزائے فضیلت مآب ہر دو بندہ رد و پر پیچھے، دیکھا کہ ایک طرف بڑا ہجوم ہے، یہاں تک کہ ٹرک کی آمد و رفت میں خلل پڑ رہا ہے تحقیق کا مادہ اللہ کے اس بندے کو ورثے میں ملا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں آنے سے رہ جائے تو کھانا ہضم نہیں ہوتا معدے میں نفخ ہو جاتا ہے، پیٹ میں ترقر ہونے لگتی ہے۔ مزاجی ہجوم مردماں ”دیکھ کر لپکے اور مجمعے میں ریل مل گئے۔ فدوی سائے کی طرح ساتھ تھا۔

دفتر تلاش روزگار

سبحان اللہ عجیب نظر رکھینے میں آیا، ایک احاطے میں ہزار دو ہزار مخلوقِ خدا جمع ہے اور ایک قطار کی قطار آدمی کسی کھڑکی کی طرف جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب سمجھے کہ جنگ چھڑ گئی اور شہر ”لام بندی“ کی منادی کر دی گئی ہے اور یہ سب لوگ بھرتی ہونے جا رہے ہیں۔ بس یہ خیال آتے ہی ماشاء اللہ، سبحان اللہ رگوں میں شجاعت کا خون جوش مائے لگا۔ آنکھوں میں نشہ حرارت کے ڈورے تیر گئے۔ وہیں سے نعرہ مارا۔

علی امام من است ومنم عنلام علی

ہزار جان گرامی فدائے نام علی

ہر کہ داند بداند و ہر کہ نداند بداند منم شمسوار عرصہ سپہ گری و سالار قافلہ زور آوری شیر خیتان
شجاعت رستم پاکستان ژمبک گاما پہلوان شیر شہزاد (غضناک شیر) المقلب بہ اچھے مرزا۔

منم اچھے مرزا یل پیل تن
کبھی خوف سے سر جھکاتا نہیں
کسی سے دسیری میں کچھ کم نہیں
بڑا زور آور بڑا صفت شکن
حکومت کو خاطر میں لانا نہیں
مجھے سیفٹی ایکٹ کا غم نہیں

مرزا جی کے نعرہ ہائے فلک شگاف کو سن کر تمام مجمع سناٹے میں رہ گیا کہ الہی! یہ کون بگڑے دل آپنئے۔ ایک جمعدار نے آگے بڑھ کر کہا کہ حضرت یہ اکھاڑ وہ نہیں دفتر تلاش روزگار ہے۔“

مرزا صاحب :- (حیثر سے) دفتر تلاش روزگار کیا ہے؟

جمعدار :- جہاں لوگوں کو روزگار دلایا جاتا ہے۔

مرزا صاحب :- (کڑک کر) تفصیل سے بیان کرو۔

جمعدار :- تفصیل یہ ہے قبلہ! کہ ہماری سرکار دولت مدار نے یہ دفتر ان لوگوں کے لئے کھول رکھا ہے جن کے لئے نہ رزق ہے نہ موت۔ محقر یوں سمجھئے کہ گھر سے فالتو ہیں۔ ڈیوٹی ان کی یہ ہے کہ صبح جب اللہ کے نیک بندے بخاری مسجد کا رخ کرتے ہیں تاکہ دنگانہ پڑھ کر دن کا کاروبار شروع کریں۔ یہ لوگ ننکے پاؤں ہمارے خاک چھانکتے کنویں جھانکتے اس دفتر میں آن مرتے ہیں۔“

مرزا صاحب :- یہاں کیا کرتے ہیں؟

جمعدار :- ”جی ایک کام ہو تو بتاؤں، گالیاں کھانے سے پھنسنے تک جتنے کام انسانی عقل میں آسکتے ہیں۔ بھلا اللہ وہ سب کے سب دن بھر میں انجام پاتے ہیں۔“

مرزا صاحب :- یہاں کے نام ذمی شان کا اسم گرامی؟ وطن شریف؟ مولد و مسکن؟ آباپتا؟ نام و نشان؟ وضع قطع؟ چال وصال؟ رنگ روپ؟ وغیرہ وغیرہ۔

جمعدار :- یہ تمام تفصیلات تو کیونٹ سکرٹریٹ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غلام تو یہ عرض کر سکتا ہے کہ سبحان اللہ! کیا قدردان حاکم ہیں۔ نوابوں کے نواب، پوتڑوں کے رئیس جسے چاہا نہال کر دیا جس نے نہراٹھیا پامال کر دیا۔“

مرزا صاحب :- قسم کلام پاک کی۔

جمعدار :- جی آپ کے سر عزیز کی قسم

مرزا صاحب :- اچھا تو جاؤ ہمارا سلام بول دو۔

جمعدار :- قبلہ ہمارے ولی نعمت ہر ایراغیہ رانختہ خیرا سے نہیں ملتے۔

مرزا صاحب :- (بمشکل غصہ پی کر) تم ہمیں جانتے ہو؟

جمعدار :- جی نہیں۔

مرزا صاحب :- اسی لئے معافی کے مستحق ہو بلکہ قسم قرآن کی انعام کے بھی کیونکہ ماشاء اللہ دلیر واقع ہوتے ہو اور مرزا ہمیشہ سے ولیہ دل کا قدردان ہے ۔ یہ فرما کر مرزا صاحب آگے بڑھے اور مجمع کو دیکھتے بھالتے باہر آ گئے ۔ نیاز مند ساقہ قنار جب کھلی ہو امیں پہنچے تو ذرا طبیعت کھلی ۔ نیاز مند سے فرمانے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اپنی حکومت ابد مدت کے کانامے ؟ یعنی اب تک رزق و روزگار کا بند و بست اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی تحویل میں رکھا تھا کہ بقول آیہ کریمہ (جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے) مگر واہ ری حکومت پاکستان ! دفتر تلاش روزگار قائم کر کے خدائی کا دعویٰ بھی پیش کر دیا ۔ گویا رزق و روزی کا تعلق خدا سے نہیں بندوں سے ہے ۔ تعجب ہے کہ مولانا رکن اللہ (مثالہم) نے حکومت پاکستان کو ”حکومت کفر“ اور ”سلطنت باطل“ ثابت کرنے میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بے پروگی اور مغرب زدگی سے زیادہ کوئی دلیل کفر نہ پیش کر سکے ۔ کوئی ان مولوی صاحب کو بتلائے کہ حضرت آپ تو فقط کفر و باطل تک ہی محدود رہ گئے ۔ یہاں تو کھلم کھلا ”شمرک والحاد“ کا مظاہرہ ہو رہا ہے ۔ یعنی حکومت پاکستان تکش روزگار کے دفتر قائم کر کے اس رزاق مطلق کے کاموں میں دخل اندازی کر رہی ہے ۔ آپ فقط تکفیر کے فتوؤں پر کیوں غیبت کئے بیٹھے ہیں ۔ بسم اللہ آگے بڑھتے اور شوق سے الحاد کے الزامات لگائیے اور دفتر تکش روزگار کے ہزاروں چپر قنایتوں کی گواہیاں دلوائیے ، پھر دیکھیے کہ کیا حشر ہوتا ہے حکومت کا !

خیر جناب ! مرزا صاحب ان ہی باتوں میں مگن جا رہے تھے کہ اچانک پاؤں پٹا اور قریب تھا کہ ”مانند اشک خاک پہ ہم گر کے رو گئے“ کا مضمون نظر آئے یعنی مرزا صاحب یخِ سترک ”ڈھیر“ ہو جائیں کہ نیاز مند نے سہارا دیا اور مرزا صاحب سینکلے ، دیکھا تو سنلے کا ایک چھلکا مزاجی کے جوتے سے ہم آغوش ہے اور یہ رپڑی اسی کی ”چپڑی“ کے سبب ظہور پذیر ہوئی ہے ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ملاحظہ فرمائی آپ نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے دار الخلافہ کے آناؤ شہریوں کی سلیقہ مندی کہ سر بازار سنترہ چھلپتے اور چھلکے پھینکتے گزرتے ہیں اور ذرا خیال نہیں آتا کہ

برسر بازار بدینیری اور پھوٹن کا مظاہرہ پاکستان کے حق میں کتنا زبوں ہے ؟ ایک صاحب سترک پر بیٹھے ”شاشیدن“ کی گردان گردان رہے تھے انہوں نے جو مرزا کی نیکتہ چستی سنی پیشاب کرتے ہی میں پکارے کہ حضرت آپ کو ہمارے سر عزیز کی قسم ، جب تک ہم نہ آ لیں آگے نہ بڑھے گا

مرزا صاحب نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک بزرگ بقدر کجیشت و دو انگشت وار بھی چہرے پر سر پر صافہ، پیشانی پر شرافت کا نور، اکڑوں بیٹھے موت ہے ہیں تاؤ آگیا مرزاجی کو۔ مگر غصہ ضبط کر کے فرمایا کہ اونٹ بڑھا ہو گیا مگر متینا نہ آیا!

ان صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے پھلتی کسی کہ ماشا اللہ آپ تو راہ چلتے لید فرما رہے ہیں۔ مرزاجی نے کہا کہ حضرت اگر حاجت برآری نہ ہو رہی ہو تو ”حاجتی“ رکھوادیں.....

بزرگ :- اس کی کیا حاجت ہے، جب آپ جیسا ”مہتر“ موجود ہے۔

مرزاجی :- بابِ اجابت واسہ۔ دعا کیجئے، پھر ایسا وقت مشکل سے آئے گا کہیں پھر قبض نہ ہو جائے۔

بزرگ :- سر دست تو اس کی شکایت ہی نہیں۔ البتہ اس حال میں حضور خود مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض پیشاب کرتے ہی کرتے ان صاحب نے ایسے ایسے جوابات دیتے (اور بقول مرزاجی کے ایسے ایسے جوابات دیتے) کہ راہ چلتے دنگ رہ گئے۔ خیر جب وہ استنجے سے فارغ ہوتے تو مرزاجی نے انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا کہ:

اگرچہ تم اس وقت برسرِ باز اس سخت ناہنجاری کا ثبوت دے رہے تھے مگر ماشا اللہ طبیعت بڑی حاضر جواب پاتی ہے کس تھان پر بندھے ہو؟

بزرگ :- لا الہیت میں۔ جہاں اگر حضور قدم رکھیں تو ”الف“ ہو جائیں۔

مرزا صاحب :- کسی چلک سوار کی ران تلے نکلے کہ نہیں۔

بزرگ :- جب حضور ہی رستی تڑا کر بھاگ رہے ہیں اور قدم قدم پر چک پھیریاں دے رہے ہیں تو اور کس سے امید رکھوں؟

مرزا صاحب :- اچھے خاصے ٹرے ہی منہ زوری کا علاج کراؤ۔

بزرگ :- حضور تو خود آٹھوں گانٹھ کھیت ہیں۔ سینکڑوں کھیت چرچکے ہیں۔

مختصر یہ کہ ان صاحب نے مرزاجی سے خوب خوب سخت زوریاں کیں اور آخر کار یہ وعدہ کر گئے کہ مرزاجی کسی روز چیل قدمی کرتے ہوئے لا الہیت تشریف لائیں گے۔

تاریخ بامیکن کو معلوم ہو چکا ہے کہ قبلہ نواب اچھے مرزا صاحب نے باوجود قہامت و اتوانی کے کراچی کا دورہ شروع کر دیا ہے۔ قبلہ مرزا صاحب کا پہلا ”دھاوا“ دفتر تلاش روزگار پر ہوا تھا۔ وہاں کی بندنظمیاں اور بے عنوانیاں معلوم فرما کر مرزاجی کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ تا وقتیکہ ”دفتر تلاش روزگار کو انقلابِ روزگار کے پنجے سے نجات نہ دلا دیں گے“ پانچواں عقد نہ فرمائیں گے دفتر تلاش روزگار کے سترہری معائنے سے مرزا صاحب کی یقین ہو ا کہ شہر کے تمام سرکاری دفاتر کی حالت کم و بیش یہی ہوگی۔ بنا بریں اس شیر خدا کے شیر نے فیصلہ کیا کہ ہر دفتر میں بذاتِ خود پہنچے گا اور جو شخص خواہ حاکم میاں حکوم سستی، غفلت، حرام خوری، سگریٹ نوشی، چائے نوشی، رشوت ستانی، بدزبانی، صوبہ پروری، اعزاز پروری اور کاہلی کرتا ہو یا اجائے گا یا سوتا ہو وقت کھوتا ہو، جمائیاں لیتا ہو.... اونگھتا ہو، باتیں بناتا ہو، ڈنگیں ملتا ہو، دوسروں کو للکارتا ہو یا گاتا گنگناتا ہو اور ناحق کو قہقہہ بٹائے گا اسے فی الفور کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے گا۔ نظر یہ امور بالاتمام کرسی نشیناں دفاتر سرکار کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ جب تک مرزاجی کا دورہ جاری ہے جرائم مذکورہ بالا میں سے اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں تو اپنی اور اپنے بال بچوں کی بیوی کے پیشِ نظر اس سے دست کش ہو جائیں، اصلاح کر لیں۔

”پھر نہ کہتا ہمیں خبر نہ ہوتی“

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس دورے کی دوسری قسط درج ذیل ہے :

مرزاجی صاحب حرامانِ زمانِ فسیلِ مست کی طرح بھوتے اور نشہ شجاعت میں اپنی چھری کی موٹے چومنے آگے بڑھے تو عجیب تماشا نظر آیا، دیکھا کہ بندر روڈ کے ایک چوراہے پر تمام آئندہ روز، موٹر کاریں رکشائیں و کٹوریاں اور آدمی کے کھڑے ہیں اور چوراہے کے بیچ بیچ ایک سپاہی کھڑا ناچ رہا ہے، یہ ہنگامہ دیکھ کر مرزاجی کے قدم ٹک گئے، عینک کے داہنے تال کی شست باندھ کر انہوں نے دیکھا تو غرقِ حیرت ہو گئے کچھ دیر تک گم سم اس ماجرای عجیب کو ملاحظہ فرماتے رہے پھر سنجیدہ لہجے میں نیاز مند سے کہا۔

مرزا صاحب :- واہ سے ایسے حکمرانو!

نیاز مند :- کس طرف اشارہ ہے قبلہ؟

مرزا صاحب :- آپ کے حکام والا شان بھی بخدا اس عہد کے جانِ عالم پیدا واقع ہوئے ہیں اے جانِ الشرا ناچنے گاتے کی طرف جو مزاجِ مبارک مائل ہوا تو سر جو پیسے پناچ پھوایا۔

سر باز می رقصم بروئے داری رقصم

نیاز مند :- یعنی؟

مرزا صاحب :- (تاؤ کھا کر) یعنی کیا؟ آپ کا سر۔ مرد خدا نظر نہیں آتا یہ تماشا؟

نیاز مند :- بخدا بندے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور کا ”ناچ“ سے کیا مدعا ہے؟

مرزا صاحب :- یا کس بلا کے غنی واقع ہوئے ہو؟ یعنی سانسے ایک زرخہ، سپاہی کی وردی پہنے ہوئے پورا ناچ رہا ہے اور تمام مخلوق خدا اس کا ناچ مزے لے لے کر دیکھ رہی ہے اور جناب دیانت فرما ہے ہیں کہ ناچ سے کیا مطلب ہے؟

نیاز مند :- قبلہ (دھیمے لہجے میں) از بروئے خدا آہستہ بولنے یہ زرخہ نہیں ہے، حضرت پولیس کا سپاہی ہے اور ٹریفک کو کنٹرول کر رہا ہے اگر نصیب اعدا کسی دشمن نے یہ بجٹک سُن پائی کہ خورٹر ٹریفک کنٹرول کو ”زرخہ“ سمجھ بیٹھے ہیں تو.....

مرزا صاحب :- تو کیا ہو گا بر خوردار؟

نیاز مند :- تصور پرفٹشی ایکٹ کا اطلاق واجب ہو جائے گا۔ انصاف سے درگزر کرنا مردِ مومن کا شیعہ نہیں اور انصاف یہ ہے کہ مرزا صاحب خواہ مخواہ بات کی کچھ کرنے کے عادی بھی نہیں۔ یہ ایک نصیبی تھی کہ وہ ٹریفک کے سپاہی کو ”زرخہ“ سمجھ بیٹھے۔ لیکن جب انہیں اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا تو چہرہ مبارک پر قدرے شرمندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور بڑے نرم لہجے میں نیاز مند سے فرمانے لگے کہ ”بھیا... واقعی بڑی چمک ہوئی اور یہ بھی قسم کلام پاک کی۔ جادو کا اثر ہے، خدا ان لوگوں کو

سمجھے، جنہوں نے مرزا کا دماغ معطل کرنے کے لئے یہ دائرہ پھیلایا ہے ورنہ کیا ایسی ”حمالت“ سرزد ہو سکتی تھی، اچھا بھتی آگ اب کسی ہوٹل میں بیٹھ کر شغل کریں۔ مرزا صاحب واقعی اس قدر آزد و بلا کہ شرمندہ سے تھے کہ دم لئے بغیر آگے بڑھنا امکان سے باہر تھا۔ چنانچہ خاکسار تیس اور مرزا صاحب بہ نفس نفیس ہر دو۔ ایک ہوٹل میں داخل ہوئے، مزاجی نے اپنی جیب سے ڈیبا نکالی اور بدقتین ماسٹے کے ایفون نکال کر چائے کی پیالی میں گھولی اور اطمینان سے ایک گوشے میں بیٹھ کر مزے دار چکیاں لینے لگے... اتفاق سے وہاں سچ پچ کا ایک زرخہ موجود تھا اور طرح طرح کی نقیلیں کر کے لوگوں کا دل بہلا اور انعام وصول کر رہا تھا۔ مزاجی بھی چکیاں لے لے کر دلچسپی کے ساتھ اس کے ناز و نحرے دیکھ رہے تھے کہ اچانک

ہو مل میں کسی مسخرے نے پروہی کی کہ اے ! ان غریبوں سے کیا پیسے دو پیسے وصول کر رہا ہے اگر انعام
ہی لینا چاہتا ہے تو جاوہ جو صاحب ہو مل کے ایک گوشے میں بڑے بانکپن سے بیٹھے بریاں نقل فرما
تے ہیں۔ ان کی سلامتی کی دعا مانگ ! اور ان سے انعام وصول کر !

زنخہ تھا سیانا۔ بات پاگیا اور مرزا جی کی طرف بڑھا، نازنخرے کرتا جھٹ مرزا جی کے سامنے
آکر فرشی سلام کیا اور پھر ایک دم ناچنے لگا۔

آہے آہے پیا مرے ہانکے پیا !

میکر پیاے پیا

میرا بھولا سادل میری نتھی سی جان

ترے اوپر فدا میرے ہانکے پیا !

مرے پیاے پیا !

ترے گھوڑے کی خیر ترے کوڑے کی خیر

مجھے اپنا بنا ! مرے ہانکے پیا

مرے پیاے پیا !

مرزا جی کسی پر بیٹھے یہ سب تماشے دیکھتے اور سکراتے رہے۔ زنخہ کا ناچ تھا دلچسپ جس کو دیکھنے
کے لئے ہو مل کے آس پاس لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے اور سب زنخہ کی سیر دیکھ رہے تھے۔
جب زنخہ ناچ چکا تو نقلیں شروع کیں۔ پہلے ”سلامتی کا گیت“ گایا۔ پھر گارے کا دامن پھینکا، زمین
پر بیٹھ کر زچہ کا روپ دھار لیا۔ دوپٹے کے آپسل کو میڑ میڑ کر فرضی بچہ بنایا اور اسے گھٹنے پر بٹھا کر اوگھٹنا
بلا ہلا کر ”یہوں ٹیہوں“ کرنے لگا جیسے بچہ رو رہا ہے۔ جب کچھ دیر ہو گئی اور بچہ کچھ روتے چپ نہ ہوا تو
بڑے نخرے سے بولا۔

”اے بے گھوڑا روتے روتے ہلکان ہو گیا۔ چپ رہ میکر لال دودھ پیئے گا؟ اے بے کہاں
سے لاؤں دودھ ! چھاتیاں تو لا لاکھیت کے نلوں کی طرح کھچی پڑی ہیں تیرے آبا نو کی سی نہیں کرتے
نصیبوں جلی زچہ گوند پختی کو ترس رہی ہے بچے کے لئے گھنٹی کہاں سے آئے؟ زنخہ کی آنکھیں پیر
تمام ہو مل تہتہوں سے گونج اٹھا۔ مرزا جی بھگتے کر پھپتی ان پر کسی گئی ہے۔ بس فوراً خون تاؤ کھا گیا۔

ماٹھے پر شکن اوپر دیر پل پڑ گئے۔ کنار پر ہاتھ ڈال کر کہنے لگے کہ کیا بکتا ہے مردک! کیا سمجھا ہے تینے (تو نے) تجھے نہیں معلوم تو اس وقت کس سے مخاطب ہے؟ زبان کو لگام دے۔ ورنہ ایک داریں چورنگ کر دوں گا مودی! زخہ سمجھ گیا کہ طور بے طور ہے۔ مرزا جی کے یوم بدلتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا لیکن تھا جیالا گرا کر مٹا کر معافی مانگنے کے بجائے ناک پر انگلی دھر کر کہے مٹکا بولا.... بس میاں بس دیکھ لئے مٹھائے تیرے۔ بند کی بھی کوئی ایسی ویسی نہیں ہے جتن خاں کے گھر کی ہے۔ دھکیاں کسے دے رہے ہو۔ دیکھو تو کون بھڑو میسر پڑے کہ ہاتھ لگاتا ہے اگر اس کی جان اور اپنی جان ایکٹ کر دو تو کہنا، ان لفظوں پر مرزا جی کا پارہ غضب آسمان پر چڑھ گیا۔ قریب تھا کہ چیل کی طرح بھپٹا مار کر اس شقی اذلی کو چورنگ کر دیں کہ زخہ سلام کریں جاو جا۔ نیاز مند نے مرزا جی کا دامن پکڑ لیا کہ حضرت جو کچھ ہو گیا ہو گیا اب برائے خدا جانے دیجئے۔ مرزا جی مائے غصے کے ہکلائے لگے تھے۔ الفاظ بمشکل انکی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔ بائے خدا خدا کر کے انہیں روکا اور کچھ دیر بعد مرزا جی کے حواس بر جا ہوئے تو فرمانے لگے کہ:

”یہ اچھی اسلامی حکومت ہے بر خوردار! جہاں زرخہ اس طرح برسیا زائے عشو و فرشی اور بے حیائی کے مظاہرے کرتے ہیں اور کسی کے کان پر جوں نہیں رنگتی، مگر اس میں زرخہ کا کیا قصور؟ بن دلیان، پوری سوسائٹی کا مزاج زرخہ کی طرف مائل ہے کسی قوم کا سرمایہ اقبال قسم کلام پاک کی نوجوان ہوا کرتے ہیں لیکن ان پر نظر ڈالئے تو آپ کو زرخہ ازم کے وہ نمونے نظر آئیں گے کہ حیرت کے مائے چہرے منٹول بن جاتیں گے آپ۔ ہائے ان نوجوانوں کی ادائیں! امریکی وضع کے ترشے ہوئے بال، سرخ و سفید چپکے سیاہ آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینکیں، اٹلی دسے کے صیوٹ یا سرج کی شیر و انیاں، کلائی پر زنا نہ وضع کی گھڑی اور رفتار کی سج دھج کا وہ عالم کہ:

جادو ہے یا کرشمہ شعلہ ہے یا شہر آرا؟
چلتا ہے کس ادا سے تک دیکھو خدا

اے بھتی ہم بھی جوان تھے کسی زمانے میں اور ماشا اللہ جوانی کا طوفان اس خاکسار پر پوری قوت سے اُمڈا تھا لیکن بندے کو نہ خود ستانی کا شوق تھا نہ خود ستانی کا۔ صبح اٹھے اور لگے ڈنڈ پیلنے کہ قبول نظیر اکبر آبادی سے

کوٹھی سوٹے کو اٹھا اور دیکھ پھر قرت کے کیل
کیا پڑا سوتا ہے غافل جنگ پی اور ڈنڈا سپیل

جب تک ”دھاتی سوکڑوٹ اور زمین گیر ڈنڈا نہ پیل لیتے جسم میں درد نہ تھا، اس کے بعد
مگد ہلاتے جاتے اور قسم جناب امیہ کی۔ اس صغاتی سے کہ تبھی آدھا چہرہ کاٹا۔ کبھی پاؤں کبھی سلائی
وی اور کبھی مگد کرو، گمرے کی طرح اچھال پھیلی پروکا اور لٹو کی طرح پچا دیا۔ ورزش کے بعد آدھ سیر مارا تو
کا حیرہ نوش جان کیا اور پھر دنیا کے دھندوں میں لگ گئے۔ یہیں وہ مدانہ ورزشیں جو جوانوں کو شیر کا
پلیم، چیتے کی کمر، عقاب کی آنکھ اور کوندے کی لپکتی تھیں لیکن آج انہیں کیا سکھایا جاتا ہے، زمانہ
سج دھج، تن آسانی، عیش پرستی، درباری، فلم بینی، ایکٹریس پرستی وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو میں کیا کہہ
رہا تھا منتِ حکر؟

رنجوں کا ذکر تھا حضرت!

ہاں تو آج پوری سوسائٹی رنج بن چکی ہے۔ مدانہ خوبیاں مٹتا ہیں اور زنانی عادتیں رائج ہو چکی
ہیں اس قوم میں.... ان اسلی تابہ دنی از لیدرتا بہ ملتا.... جسے دیکھو اسی مرض میں مبتلا ہے۔
مرزا جی بڑے مزے سے باتیں کرتے شہ گامہ چلے با بے تھے کہ کسی نے آواز دی اماں جانو اے بوت!
مرزا جی :- (برا فروخت ہو کر) یہ کون چڑا نکلا خرو ہیں۔ اتنے میں آنے والا قریب آگیا۔ سنپتیں
چالیس برس کا ایک دہلا پتلا انسان۔ میلے مچکٹ کپڑے، چندھی آنکھیں، گنجا سر، دوا پنخ کی داڑھی
چہرے سے فاقہ کشی اور کوچہ گردی کے آثار نمایاں۔ اس شخص نے مرزا جی کے سامنے آکر سلام کیا اور
پوچھا ”حضور کچھ مسیری مدد فرما سکتے ہیں؟“
مرزا جی :- تم کون ہو کیا پاتے ہو؟

اجنبی :- بندہ ایک نہا ہے۔ فرید آباد کا رہنے والا ہے۔ چند دن ہوتے کھوکھرا پار کی سرحد پار کر کے
پاکستان میں داخل ہوا ہے، اب نہ رہنے کا کوئی بھڑ ہے نہ ٹھکانہ، واہ ری گردشِ زمانہ!

مرزا جی :- پھر کیا پاتے ہو؟

اجنبی :- مجھے قائد اعظم کے مزار کا پتہ بتا دیجئے۔

مرزا جی :- کیا کرو گے؟

اصبہنی :- آج جمعرات کا دن ہے چلے بانڈھنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل نازل کرے۔
مرزاجی :- وہ کیوں کر؟

اصبہنی :- (چپوکر) ”کیونکر“ کی بھی ایک ہی رہی۔ قائد اعظم پیروں کے پیر، اور قطبوں کے قطب
تھے اگر ان کے مزار پاک پر چلے نہ بانڈھا جائے گا، تو کیا آپ کی وارڈھی میں؟
مرزاجی :- (مشتعل ہو کر) زبان کو لگام دو۔۔۔ قائد اعظم (اللہ تعالیٰ ان کی قبر میں جنت کا
صدر دروازہ قائم کرے) کے مزار کو ان گندگیوں سے پاک رکھو۔
اصبہنی :- کیا آپ وہابی ہیں قبلہ؟

مرزاجی :- نہ ہم بریلیکی ہیں نہ چکراؤلی، نہ دیوبندی ہیں نہ سمرقندی نہ اہل حدیث ہیں نہ اہل قرآن،
بحمد اللہ مسلمان اور صرف مسلمان!

اصبہنی :- تو پھر آپ زیارت قبور اولیاء کے قائل نہیں۔

مرزاجی ہم ہر مسلمان کی قبر پر فاتحہ خوانی اور عزت پذیر سی کے قائل ہیں۔ تم ایک مہاجر ہو ابھی
ابھی کھوکھرا پاؤں کا جہنم پا کر کے کراچی آئے ہو تم ان جھنجھٹوں میں مت پڑو اور پہلے اپنی آباد کاری کی کوشش
کرو۔ اصبہنی تو اس نصیحت پر خفا ہو کر چلا گیا۔ قبلہ مرزا صاحب نے نیاز مند سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ معلوم
ہوتا ہے کہ یارانِ طریقت نے قائد اعظم مرحوم کے مزار کو درگاہ بنارکھا ہے۔ قسم کلام پاک کی جب
تک ان خرافات کا قلع قمع نہ کر دوں گا چین نہ لوں گا اور یوں بھی یہ بات غلط ہے کہ ایں جانب کراچی کی
سیر کو نکلیں اور قائد اعظم کے مزار پاک پر پہلے فاتحہ خوانی نہ کریں۔ چلو پہلے اس فریضے سے فارغ ہو لیں یہ
فرما کر مرزا صاحب نے اپنی سمت موڑی اور قائد اعظم کے مزار کی طرف دیکھی چل دیئے۔

مزار قائد اعظم پر نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ کا جہاد

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ نواب اچھے مرزا صاحب قبلہ جاہلانہ رسم پرستیوں اور غیر اسلامی حرکات کا انکار کرنے کے لئے بندر روڈ کے چوراہے سے سیدھے مزار قائد اعظم کی طرف خوش حرام ہوتے تھے۔ انہوں نے نیاز مند کو بتلایا کہ سبحان اللہ! ہماری مثال اس حکیم و فیلسوف کی سی ہے جو یہ دریافت کرنے کے لئے کو تھے کی چھت پر چڑھا تھا کہ زمین سے آسمان تک کتنی بلندی ہے اور چھت کی بلندی کا صحیح اندازہ نہ لگانے کے سبب کو تھے سے گر کر مر گیا تھا۔ یعنی آپ ملاحظہ فرمائیں کہ پاکستان میں از خان لیاقت علی خاں تاج بہ مشر بہ دوروی اور از حقیر اچھے مرزا تاج بہ مولانا مودودی مدظلہ ہر صاحب علم و خیر دن رات پاکستان کی اسلامیت اور بانی پاکستان کی خدمات اسلامی کا ڈھنڈورہ پیٹتا رہتا ہے۔ لیکن ہم سب کی ناک کے نیچے بانی پاکستان کے مزار پر جو جو بدعات ہو رہی ہیں ان کی طرف کسی کی ذرا بھی توجہ نہیں۔ اب انشاء اللہ یہ کترین خلائق یعنی آپ کا اچھے مرزا جب تک ان خرافات کا خاتمہ نہ کرے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ چنانچہ مزاجی نے اپنا قول چا کر دکھایا۔ یہ کیوں کر؟ اس کی روشنی ذیل میں پڑھیے۔

بندر روڈ کے چوراہے سے پلٹ کر مزاجی نے اپنی رفتار کا ستر پنجم کر لیا اور اس تیز روی کے ساتھ جمشید روڈ پر چلنا شروع کیا کہ راہگیر ٹرینک کنٹرولر رکشا قلی اور بس ڈرائیور سب کے سب عیش کرنے لگے۔ نیاز مند بھی افسانہ خیزاں ان کے ہم رکاب تھا، ابھی ہم نے تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا

تو گناہ دعوم دھڑکے کے ساتھ ایک جلوس جاتا نظر آیا۔

مرزاجی :- (ٹھہر کر اور سانس کی رفتار کو قابو میں لے کر) کیوں بھی یہ برات کہاں جا رہی ہے؟
ایک شخص :- یہ برات نہیں ہے قبلاہ! جلوس ہے۔

مرزاجی :- کس کا جلوس ہے عزیز الفت در!

راکبگیر :- قائد اعظم کے مزار مبارک پر چادر جا رہی ہے۔

مرزاجی :- کیسی چادر؟

راکبگیر :- منت کی چادر سیٹھ جعفر بھائی جو ناگڑھ والے نے منت مانی تھی کہ اگر ان کا اسٹاک بازار میں چوگنی قیمت پر بک گیا تو قائد اعظم کے مزار پر چادر چٹھائیں گے اور کوٹہ اکرائیں گے۔

مرزاجی :- (تاؤ کھا کر) خوب! گویا یہ قائد اعظم کا روحانی فیض تھا کہ سیٹھ جعفر بھائی نے لمبیک مارے کے ذریعے لاکھوں روپے کائے اور ہزاروں غریبوں کا خون چوس لیا۔ سبحان الشکر! روحانی فیض ہے۔

راکبگیر :- (تعجب سے) کیا آپ اولیاء کی کرامت کے قائل نہیں ہیں جناب؟

مرزاجی :- ہم خود اولیاء ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے گریجوایٹ جنوں کو رام کیا ہے، تم ہماری کرامتوں سے کیا واقف؟.....

جلوس آہستہ آہستہ قائد اعظم کے مزار کی طرف رواں تھا اور مرزاجی نیاز مند کو ہم کباب لئے جلوس والوں سے چوگھی لڑتے جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے، ایک مقام پر ٹریفک کی کثرت کے سبب جلوس ڈرا سا رکا، ایک عورت نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے چادر پر ہاتھ پھیرا اور حصول برکت کے لئے اپنے ہاتھ کو سر و سینہ اور آنکھوں پر پھیر لیا۔ یہ بدعتِ عظیم دیکھ کر تو مرزاجی کے تن بدن میں چنگاریاں لگ گئیں کہنے لگے کہ:

او مرغی! بلکہ مرغی کی بچی۔ کیوں شرک و بدعت کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ قسم کلام پاک کی اگر

عورت پر ہاتھ اٹھانا حرام نہ ہوتا تو ابھی ستر قائم کر دیتا! ہائیں برسبازا! یہ دیدہ دلیری!

عورت :- (چونک کر) ادنیٰ یہ کلمہ اکون ہے؟

مرزاجی :- خبردار! گناہِ عیسوی بدعت کی تو قسم باوا جان کی گھڑیوں والوں کا بھٹے

عورت :- اے اے! مان نہ مان میں تیرا معان یہ کون جو ان مرا ہے۔ مردوئے! راہِ حلیتی عورت

کوھپیٹتے ہوئے شرم نہیں آتی تھے۔ ابھی کہہ دوں گی حاکم شہر سے جا کر۔
مرزاجی :- (مزے میں آکر) کہہ میری پاپوش سے۔

”وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔“ قریب تھا کہ مرزاجی اور اس اجنبی عورت کے درمیان باقاعدہ گلخپ ہو جائے کہ چند راہ چلتے شرفارنے آکر بیچ پھاڑ کر دیا۔ وہ عورت گالیاں دیتی ہوتی نمائش گاہ کی طرف ٹنگتی اور ادھر مرزاجی کراچی کی اوہام پرست عورتوں پر لعنت ملا مت کرتے ہوئے معنیاز مند کے مزار قائد اعظم کی طرف بڑھے۔ اتنے میں جلوس بہت آگے جا چکا تھا۔ مرزاجی نے نیاز مند سے کہا کہ بڑھو دار! دو گارہ چلو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اوہام پرست مزار قائد اعظم کو جا کر ناپاک کر دیں!

یہ فرما کر مرزاجی نے اپنی رفتار کا میٹر بڑھا دیا اور چند لمحوں کی دوادوش کے بعد ہم لوگ مزار مبارک کے روبرو تھے، وہاں سپیچے لڑکیاں دیکھا کہ مزار مبارک کے احاطے کے باہر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں اور قوال حلقہ بنائے ہوئے بڑے پرسوز لہجے میں کوئی گیت گاتے ہیں، ایک خوبصورت لڑکا پوریا لہنگا پہنے، زرکار ٹوپی اوڑھے، کانوں میں دو خوبصورت بندے اور گلے میں چینیلی کے پھولوں کا گہرا ڈالے بڑی مستی کے عالم میں چھما چھم ناچ رہا ہے جو گیت اس وقت بڑی عقیدت مندی کے ساتھ گایا جا رہا تھا، اس کے دو بول یہ تھے:

پیما کی قبر پہ میں رتجگا رچاؤں گی !
پیما کی خاک کو پھولوں سے میں سجاؤں گی !

لاحول ولا قوۃ۔ قائد اعظم کا مزار اویہ گھسیٹا شاہی گیت۔ مرزاجی کو تاب سماعت باقی نہ رہی، فوراً نسرہ مارا کہ:

”اے اوزخو! خدا کے غضب سے ڈرو۔ جس مردِ مومن نے دس کروڑ مسلمانوں کو ایمان و جہاد کی روح سے لبریز کر دیا تھا جس نے کروڑوں غلاموں کو ایمان و اعتقاد اور یقین و اعتماد کی دولت سے مالا مال کر کے انہیں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وارث بنا دیا تھا۔ اس کی قبر کے ساتھ یہ گستاخی کیسے سخی نے تمہیں ان حرکات کی اجازت دی ہے قسم کلام پاک کی، ایک ایک کا خون پی جاؤں گا مرزاجی کی اس ڈانٹ پر سب لگ سٹ پٹا گئے۔۔۔ قوالوں نے گانا، لونڈے نے ناچنا اور میراثیوں

نئے مالی بھانا بند کر دی۔ ایک منٹ کے اندر ادھر سے ادھر تک گہرا سکوت چھا گیا۔ مرزا جی نے یہ نفسوں کر کے کر ان کی تنبیہ کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے سوال کیا کہ آخر اس نامتقولیت کا بانی مبنی کون ہے؟ اس سوال پر لوگوں میں سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ چند منٹ کے بعد ایک بزرگ آگے بڑھے اور مرزا جی سے کہنے لگے کہ ”حضرت آپ کون؟ ہم کا گورہ؟ غیبی فرشتہ؟... خدائی فوجدار، بلائے ناگہانی؟ قناتے آسمانی؟“

آخر کچھ تو پتہ چلے کہ جناب جن کون اور کیوں ہم لوگوں کو سولی پر چڑھا نے کے لئے کمر بستہ ہوئے ہیں مرزا جی :- کچھ بھی سمجھو! میں جناب قائد اعظم کے مزار پر ان جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم کے روادار نہیں۔ بزرگ :- غلط۔ فقط خان اعظم لیاقت علی اور خاتونِ ملت اس مزار پاک کے متولیان ہیں اور انکی طرف سے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں۔ ابھی یہ بحث ہو رہی تھی کہ مزار پاک کا ایک مجاور جھپٹ کر آیا اور مرزا جی کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ :

مجاور :- آپ دوسرے کے پٹے میں پاؤں نہ اڑاتے اور ٹھنڈے ٹھنڈے گھر تشریف لے جاتے! مرزا جی :- (مسکرا کر) گھر تو اب انشا اللہ اس قصبہ کو نمٹا کر ہی جاتیں گے تم کو تمہارا کیا مطلب ہے؟ مجاور :- اگر مزار کی حاضری کا ارادہ ہے تو چراغی دلوایتے۔

مرزا جی :- چراغی کیسی؟

مجاور :- یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ بڑے بوڑھوں سے ایک روپیہ عورت سے آٹھ آنے اور بچہ سے چار آنے چراغی لی جائے اور نذر نیاز کے لئے ایک روپیہ الگ وصول کیا جائے۔ مرزا جی :- اگر کوئی نہ دے تو۔

مجاور :- نہ دے گا تو اپنا ایمان خراب کرے گا۔ دنیا میں حواری اور عیسیٰ میں گنہگار ہو گا۔

مرزا جی :- کیا خوب؟ آپ نے تو باقاعدہ ایک گھریلو ”خانہ ساز قسم“ کی شرع شریف تصنیف فرما رکھی ہے جس کی رو سے جناب لوگوں کو بے تکلف جنت کا سرٹیفکیٹ اور جہنم کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ شیخ الاسلام تو آپ آج بھی ہیں اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو انشا اللہ سالِ آئندہ جناب ولایت کے منصبِ عظیم پر بھی فائز ہو جائیں گے! ایک صاحب :- قبل اس خانہ تمام آفتاب است۔

آپ فقط مزار قائد اعظم کے زائرین کی اصلاح کرنے نکلے ہیں اور یہ خبر نہیں آپ کو شاید کہ یہاں آئے
 کا آواگڑا ہوا ہے۔ کون سا مقبرہ ایسا ہے جسے اس قسم کے جاہلوں نے اپنی اغرض کی تکمیل کا اڈا نہیں بنا رکھا
 مرزاجی :- (بہ آواز بلند مجاور سے مخاطب ہو کر) اوکیدی خر۔ کان کھول کر سن لے کہ قائد اعظم کا مزار پوری
 قوم کی عقیدت کا مرکز اور پوری ملت کی امانت ہے۔ اس کی تولیت کا فخر نہ قانونِ ملت کو حاصل ہے
 نہ قائدِ ملت کو۔ اگر اس مزار کے فاتحہ خوانوں پر ٹیکس لگایا گیا اور اس قومی امانت کو جاہلانہ بدعتوں کا گہوارہ
 قرار دیا گیا تو سب سے پہلا شخص ”اچھے مرزا“ ہو گا جو ان ثراقات کا طلع قمع کرنے کے لئے تیغِ جنت میدانِ
 جہاد میں اترے گا۔

مجاور :- (کسی قدر ڈر کر) کیا آپ کے پاس ناطمِ کراچی کا کوئی حکم نامہ ہے۔
 مرزاجی :- ہمارے پاس خدا کا حکم نامہ ہے؟

مرزاجی کے اس اقدام کا فوری اثر متب ہوا اور اس مجمع میں سے جو نصف گھنٹہ قبل بڑے زور شور
 سے طلبہ کی تھاپ، قوالوں کی تان، اور چھوکرے کی زرت پناچ رہا تھا، چند لوگ ایسے نکل آئے جنہوں نے
 مرزاجی کے الفاظ کی تائید کی اور بصد جوش و خروش اعلان کیا کہ اگر آئندہ کسی نوچندی جمعرات کی آڑ میں
 بابائے ملت کے مزار پر اس قسم کا سوانگ رہا یا گیا تو وہ مکاری اور عیاری کے اس جال کا تار پور بکھیر
 دیں گے۔ مرزاجی اس مجمع میں ایک ”بیرہ“ کی طرح کھڑے تھے۔ چہرہ مبارک سے جلالِ شیک رہا تھا اور
 بگڑے ہوئے تیوروں سے ایسا فاتحانہ پن برس رہا تھا گویا حضور پر نور ابھی کشمیر فتح کر کے پلٹے ہیں۔

جب یہ ہنگامہ فرو ہو گیا اور قوال اور چادر چڑھانے والے سیٹھ جعفر بھائی اور مجاور اور ناچنے والا
 چھوکرہ، یہ سب جاگ گئے تو مرزاجی نے مجمع کے ساتھ احاطہ مزار میں قدم رکھا اور قائد اعظم کے مزار کے
 پائیں پا کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ اور پھولوں کے بجائے آنسوؤں کے موتی قبر پر چڑھائے اس وقت
 عجب سوز و ساز کا عالم تھا۔ لوگوں کے دل جوش و خروش سے لبریز تھے اور اس شخص کے عظیم کارناموں
 کی یاد دہنوں میں چٹکیاں لے رہی تھی جس نے تنہا لڑ بھڑ کر پاکستان حاصل کیا تھا اور دنیا کے سامنے
 اس دعوے کا ثبوت پیش کر دیا تھا کہ:

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
 آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وزارت مآب

کی ڈیوڑھی پر

قائد اعظم کے مزار مبارک سے رخصت ہو کر مرزا صاحب نے وزیر اعظم کی ڈیوڑھی کا رخ کیا اور بندے سے سوال فرمایا کہ کیوں عزیز از جان! آج کون سا روز ہے؟

نیاز مند :- پندرہواں روزہ ہے قبلہ

مرزا صاحب :- یعنی منجھلہ روزہ

نیاز مند :- بے شک

مرزا صاحب :- تو یوں کہتے کہ آج وزیر اعظم سادر کے یہاں دعوت تھی ہو گئی۔

نیاز مند :- وہ کیسے حضرت؟

مرزا صاحب :- (چپ کر) عجیب بونگے واقعہ ہوتے ہوئے اب آپ کیا وزیر اعظم کو اتنا "مکھتی چوس" سمجھتے ہیں کہ عین منجھلہ روزے کے دن اچھے مرزا اُن کے ہاں جاتے اور وہ ہاتھ نہ دھوواتیں برنجوردار! ظن المؤمنین خیر! مسلمانوں کی طرف ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے اور پھر وزیر اعظم تو "قرار دادِ مقام" کے مصنف ہونے کے سبب امیر مسلمین قرار پائے ہیں اُن کی نسبت تو سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس طرح باتیں کرتے پھول کھیرتے، طیفی تصنیف فرماتے، چپقل قدمی کرتے مرزا جی دھیمے سروں میں وکٹوریہ روڈ کی طرف گا۔ نہ سمجھو کہ اتنے میں ایک ہوٹل نظر آیا جو پردہ دار واقع ہوا تھا۔ ہوٹل کو پردہ دار پاکر مرزا صاحب کی طبیعت ملگن ہو گئی اور بڑی خوش دلی کے ساتھ فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کھنتی کیا معتول ہوگے واقعہ ہوتے ہیں آہا ہا ہا۔ دروازے پر پردے چھوڑ رکھے ہیں کہ اگر کوئی بھولے سے ہوٹل کا رخ کرے تو متنبہ ہو جائے کہ اوہو! ماہ مبارک رمضان ہے اور لطف ملاحظہ ہو کہ آپ جب ہوٹل کے اندر قدم رکھیں گے تو دیکھیں گے کہ ہوٹل کے مالک سے لے کر چائے لانے والا لونڈا

نک سب کے سب قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ اہل کانام بے اسلام! اور اہل کانام بے سلمانی! واللہ
طبیعت خوش ہوگئی۔

مختصر یہ کہ مالک ہوٹل کی سعادت مندی اور دینداری کا قصیدہ پڑھتے ہوئے آگے آگے مرزا
اور پیچھے پیچھے یہ خاکسار ہوٹل کے پردے اٹھا کر اندر داخل ہوئے تو

۵ لوگ کہتے تھے کہ خلوت میں وہ تنہا ہوں گے

ہم نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

دیکھتے کیا ہیں کہ ہوٹل کی تمام کی تمام میزیں انواع و اقسام کے کھانوں سے بھر رہی ہیں۔ ہوٹل کے
ملازم قباہیں اور پلیٹیں لئے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ اور ہوٹل کے مالک ماشا اللہ چشم بد دور گھٹا
ہوا سر، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، پیشانی پر گتتا، چہرہ پر نور ایمان، دونٹ کی داڑھی مہملہ کا کرتہ،
شمری پاجام پہنے گدسی پر براجمان ہیں اور زور زور سے ہوٹل کے چیکروں کو تاکید کر رہے ہیں کہ ابے
حرام زادو! روڑ کر چلو۔ پلیٹ لوٹی تو خواہ سے کٹوتی ہو جائے گی۔ مرزا جی کے لئے یہ منظر سخت غیر متوقع
تھا، انہوں نے دیکھا اور دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اچانک مالک ہوٹل کی نظر ان پر پڑ گئی وہیں سے
نعرہ مارا کہ بابو جی! ابھی میز خالی ہوتی جاتی ہے بس ایک منٹ چھری تلے دم لیجئے! مرزا صاحب تو خون
کے گھونٹ پی ہی رہے تھے اس تو منہ پر اور بھن گئے۔ بھنا کر کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو یا یہودی...!
ہائیں! کہتے ہیں شمر نہیں آتی کہ منگلے روزے میں یہ بدعت؟ یعنی عین دوپہر کے وقت کھلانے
پلانے کا یہ ہنگامہ؟ کیا بچپن میں سلمانی نان کے حوالے کر کے سوچے کافر بن چکے ہو؟
مالک ہوٹل:- (تعجب سے) خوب! جان نہ پہچان، خالہ بڑھی سلام یعنی آپ کون کہ میں
خواہ مخواہ؟

مرزا صاحب:- (پھر کر) معلوم ہوتا ہے کہ تینے (تو نے) ابھی ہمیں نہیں پہچانا (نعرہ مار کر)
اچھا تو..... ہر کہ داند بداندو ہر کہ نداند بداند کہ:

منم اچھے مرزا منم شیر نر!
کہ دہشت سے لنداں مری دشت دور
نہ کیوں میری ہیبت ہو سب پر سوار

خدا کی طرف سے ہوں میں فوجدار
کوئی دشمن کو سمجھتا نہیں
کسی سے کراچی میں دبتا نہیں

”رجز“ پڑھ کر مرزا جی نے پیتر ابدلا اور حملے کی غرض سے میان پر ہاتھ ڈالا تو لاٹول دلاقو
میان خالی تلوار غائب، اب عجیب عالم کہ حملے کے لئے پیتر ابدلا جا چکا ہے۔ دشمن یعنی ہوٹل بوائے
سامنے زور پر ہے اور ہتھیار لاپتہ! ہوٹل والوں نے جو یہ عجیب و غریب منظر دیکھا تو مائے قہقہوں
کے ہوٹل کی چھت اڑا دی۔ مرزا جی کا یہ حال کہ ”کالتو لوہو نہیں بدن میں“ ... ایک منٹ تک تو
ہی انداز میں ٹینیشن (ATTENTION) کھڑے رہے، آخر جب کوئی چارہ کار سمجھ میں نہ آیا تو لڑائی
گھائی کاٹ فوراً ہوٹل سے باہر... مگر پینہ پینہ... نیاز مند سائے کی طرح ساتھ تھا اور غرق حیرت
کہ الہی! یہ کیا ہو گیا؟ اس وقت مرزا جی سے پوچھنا بے سود تھا اور خود مرزا جی بھی نوڈ میں نہ تھے
آخر چند قدم بڑھ کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ہم دونوں نے بیٹھ کر کیا۔ تقریباً بیٹل منٹ کے
بعد موصوف ہوش میں آئے اور نیاز مند سے فرمایا ہم آپ سے بار بار کہتے تھے اور آپ سن کر
اڑا دیتے تھے۔“

نیاز مند :- کیا؟

مرزا صاحب :- یہ کہ آپ کی حکومت نے اچھے مرزا کو زچ کرنے کے لئے ”بنگال“ سے کوئی بادوگر
بلوایا ہے۔

نیاز مند :- ثبوت؟

مرزا صاحب :- (منگ آکر) یار! تم سے بھی ناک میں دم ہے، جان فاری بے یعنی سارے
واقعات آپ کی چشم جہاں ہیں کے سامنے گندے ہیں اور آپ پوچھ رہے ہیں ثبوت؟ اچھا کتنے
چلنے گھسنے نکلے تو کیا ہوا؟

نیاز مند نے عرض کی کہ اونٹ سے ٹکرا۔

مرزا صاحب :- جزاک اللہ! کہیے کہ اونٹ نہ تھا جاو کا شعبہ تھا کہ ٹکراتے ہی غائب ہو گیا۔
نیاز مند :- اچھا یوں ہی سہی۔

بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ حضور پر نور کے مدارج کو اسی طرح بلند تر کرتا رہا تو انشا اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ سرکار کے دیوان خانے کی دیواریں آسمان کو چھونے لگیں گی۔ پولیس کے نوجوان بڑے غور سے مرزاجی کے حلیہ مبارک کو دیکھ رہے تھے۔ آخراں میں سے ایک آگے بڑھا اور مرزا صاحب کے کہنے لگا۔

بھائی صاحب، آپ کو کس کی تلاش ہے؟

مرزا صاحب :- (عینک کے تالوں میں سے سپاہی کو گھور کر) بھائی چند خوش چرانہ بنا شد؟...

دولہا بھائی کہو۔

سپاہی اس صحبتی پر بھٹنا گیا۔ مگر جواب کیا دیتا وہ بے چارہ، ان پڑھ۔ الف کے نام لٹھانہ جانے اور مقابلہ شخص سے جو طوطی ہزار داستان وہ اپنے ذہن میں ایک موٹی سی گالی تصنیف فرما ہی رہا تھا کہ پولیس گاڑو کا جھولہ پیچ میں آگیا اور مرزاجی سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کس سے ملیں گے؟

مرزاجی :- (مزے میں آکر) اجی انہیں سے۔

جمعدار :- آخر کچھ نام بھی ہے اُن کا۔

مرزاجی :- وزیر اعظم کا نام نہیں جانتے تم؟

جمعدار :- وزیر اعظم سے آپ کا مطلب؟

مرزاجی :- مطلب کیا ہوتا؟ کوئی بل نہیں الاٹ کرائی، کہیں سفیر کی نہیں جانا، آج مٹھلا روزہ

تھا۔ ہم نے سوچا چلو نواب زادے صاحب کے ساتھ افطاریں۔

جمعدار :- کیا آپ نے اُن کے سکریٹری سے وقت لے لیا ہے؟

مرزاجی :- وقت کیسا میاں جمعدار؟

جمعدار :- ملاقات کا حضور۔ اوکس بات کا؟

مرزاجی :- تو کیا وزیر اعظم بغیر وقت لئے ملاقات نہیں کرتے؟

جمعدار :- صاحب وہ عام لوگوں سے ملتے ہی نہیں۔

مرزاجی :- (حیرت سے) کھاؤ قسم قرآن کی بھتی حد ہوگئی! تو اکیلے گھر میں پڑے کیا کرتے رہتے

ہیں حضرت؟ شطرنج کھیلتے ہیں، گنجنے سے شوق ہے؟ چوتھر کی بازی جیتی ہے؟ آخر وقت گزارنے کا

مشغلہ ہے کیا؟ (چند لمحے تاثر کے بعد) خیر تو میاں جمعدار اُن کے مصاحبین کون کون ہیں؟
جمعدار:- مصاحبین کیسے؟ کچھ ٹائپسٹ اُن کے دفتر میں ہیں اور کچھ کلرک۔

مرزا جی:- (نیاز مند سے مخاطب ہو کر) ملاحظہ فرمائیے اپنے وزیر اعظم کی بوالعجبیاں! نہ مصائب، نہ پیش دست، نہ گنجفہ نہ چوسر نہ مرغ بازی نہ بیٹیر بازی، لا حول ولا قوۃ..... وزارت کیا ہوتی مہین مسجد کی امامت ہوگئی۔

جمعدار:- مگر آپ کو وزیر اعظم سے کام کیا ہے؟

مرزا جی:- (تاؤ کھار) اماں عجیب ”چند“ ہو۔ وزیروں اور بادشاہوں کی خدمت میں کہیں کام کو حاضر ہوا کرتے ہیں۔ ”سلام“ کو حاضر ہوا کرتے ہیں۔

جمعدار مرزا صاحب کی باتوں سے نہ جانے کیا سمجھا اور ہنستا ہوا واپس چلا گیا۔ مرزا جی بھی تھک گئے تھے کہنے لگے بر خور وار چلو ہٹا دھی! منہلا روزہ ہے۔ چھوٹی سیکم انتظار کر رہی ہونگی چلو گھر چلیں۔ چنانچہ نیاز مند اور مرزائے سیاحت پسند ہر دو مشترکین ناپ کر تھکے ہارے گھر واپس آ گئے۔

آدم زادہ اچانک ایک عفریت سیاہ گزرتائیں ہاتھوں میں لئے منہ پھاڑے سینہ تلنے ایک گوشے سے نمودار ہوا اور نعرہ جنگ مار کر میدان مانگا۔ دشمن مقابل ہو کر میدان مانگے اور اچھے مرزا خاموش رہے ناممکن ہے قسم کلام پاک کی۔ اس حریت قوی دست کا نعرہ سن کر بندے کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بس کمر سے شمشیر برق دم کھینچ کر جیت کی اور یا علی کہہ کر پلٹ کا ہاتھ مارا کہ اس شتی کو چورنگ کر دے مگر اللہ نے اس کی جسامت کہ بندہ باوجود کچھ بانسوں اچھلاتا اور وار بھی تلا ہوا تھا۔ مگر اماں یقین کرنا قسم برب کعبہ اس اچھل کود کے باوجود بندے کی تادار اس دیو سیاہ کے گھٹنوں تک پہنچی مگر ماشا اللہ تھی ضرب حیدری۔ بلبلا اٹھا شتی اور شکست خوردہ ہاتھی کی طرح چنگا ہوا اس احقر الکونین کے سامنے سے بھاگ گیا اور...

نیازمند: اور حضور کی آنکھ کھل گئی۔

مرزا صاحب: جناب اللہ چشم بد دور گشتگو میں بحال بقہ دینے لگے ہو۔

نیازمند: اس کی تعبیر بھی عرض کر دوں حضرت!

مرزا صاحب: فرمائیے فرمائیے ماشا اللہ ماشا اللہ!

نیازمند: قبلہ! تعبیر اس کی یہ ہے کہ ہندوستان نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر جمع کر دی ہیں اور اگر خدا نخواستہ دشمن نے میدان مانگا تو آپ کے غلام بیچ کھیت میداں داری کے وہ وہ کرشمے اور جانثاری کے وہ وہ معجزے دکھلائیں گے کہ دشمن فیصل شکست خوردہ کی طرح سوٹا اٹھا کر اور کان دبا کر من سے بھاگ نکلے گا۔

مرزا صاحب: (حیرت سے اچھل کر) ہائیں! برخودہ کیا کہہ رہے ہو؟

نیازمند:- قبلہ خانہ زاد خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ عرض کر رہا ہے اگر اس خبر میں ایک حرف کا بھی نہالغہ ہو تو خدائے پاک بندے سے عقد ثانی کی توفیق سلب فرمائے۔

مرزا صاحب: راوی کون ہے اس شیر شجاعت اثر کا؟

نیازمند: کوئی اور نہیں خود حضور پرنور سکندر صولات

دارا حشمت قدر قدرت اعلم حضرت وزارت مآب

صدارت انتساب ذی جاہ و ذی شان یعنی وزیر الممالک

وزیر الدولہ تہوڑ جنگ غفلت نشان خان لیاقت علی خاں ایڈہ اللہ
بفسرہ العزیز۔

مرزا صاحب: قسم کھاؤ!

نیاز مند: آپکے سر عزیز کی قسم اور یہ نیاز مند کھائے! توبہ! توبہ! اس قدر گستاخی؟
مرزا صاحب: واللہ ماننا ہوں کیا سعادت مند ہے؟ مگر بھتیہا غنیم اس قدر قریب آپکا
ہے اور لیاقت علی خاں صاحب نے ایں جانب کو نہ کی خبر نہ دینا اس فقیر کے کلمہ
احزان پر کیا آتے؟ مگر نواب سید علی خاں جن کے ذریعے کہو بھیت سے ان مرزا صاحب
صورت حال یہ ہے اب فرمائیے بندے کے لیے کیا کام ہے؟ اس صورت میں یہ بات ثابت
ہوتی انکی سعادت مندی کی اور سبب بن جاتی یہ جانب کی شہادت ہے ہم اس بخود داری اور
سعادت آثاری کے صلے میں انہیں چپ چلتے ایسے نکتے بتلائیے کہ دشمن و مقابلے کی تاب نہ
ہوتی۔ اماں! وہی تسخیر اعداء کا عمل جو دادا جان یعنی مرزا زلیخا مرحوم پر جا کرتے تھے صاحب
سبحان اللہ! کیا تیر بہ ہدف دعا ہے؟ دادا جان مرحوم ماقبل ہیں کہ جس زمانے میں چمن جان
انکی ملازم تھی نواب بہادر سعید الدولہ مرحوم سے دادا جان کی چپ گئی اور بات معمولی تھی۔ ایک دن
اللہ بخشے دادا جان مرحوم چمن جان کے ڈیرے پر تشریف فرما تھے کہ نواب بہادر سعید الدولہ اپنے
ہاتھی پر سوار ادھر سے گزرے۔ حاضرین مجلس نے نیم قد تعظیم دی۔ نواب بہادر سعید الدولہ ہاتھی
سے اترے تو۔ مگر تیوری پر بل اور چپہر پر ناگواری کے آثار تھے نواب بہادر نے اپنے تکرر
طبع کو ضبط کر کے چمن جان سے کہا کہ فلاں روز ہمارے دیوان خانے میں مجلس خاص ہے۔ تم ضرور
حاضر ہونا۔ چمن جان نے سیدھے سبھاؤ دادا جان مرحوم کی طرف آنکھ سے اشارہ کر کے جواب
دیا کہ حضور! لوندی مرزا صاحب کی ملازم ہے اور ان کی مرضی مبارک کے بغیر کہیں حاضر نہیں ہو سکتی
بس یہ فقرہ نواب بہادر سعید الدولہ کے کلیجے میں تیر کی طرح ترازو ہو گیا اور تو کچھ نہ کہا مگر یہ کہ
چمن جان اب ہم اسی وقت تمہیں بڑائیں گے جب تم ہماری پابند ہوگی۔

نواب بہادر سعید الدولہ سے ٹکڑ۔ پہاڑ سے ٹکڑ تھی۔ مگر دادا جان مرحوم بھی ہاتھی کا کلیجہ
اور شیر کا دل لے کر آئے تھے ڈٹ گئے نواب کے سامنے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو عیسوں

فوجداریاں ہوتیں فریقین کے درمیان مگر نہ دادا جان مرحوم نے قدم پیچھے ہٹائے اور نہ نواب بہادر نے کمی کی۔ والد ماجد قبلہ مرزا پھویا مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تمہارے دادا (مرزا زلی مرجم) دعائے تسخیر اعداء پڑھا کرتے تھے اس دعا کے موکل کے تالبع ہزار جن ہیں یہ دعا آپ کے اچھے مرزا کو حرف بہ حرف یاد ہے بلکہ کئی مرتبہ تجربہ بھی کر چکا ہوں اگر وزیر اعظم ہم سے مشورے کی رحمت گوارا فرماتے تو ہم یہ دعا انہیں تعلیم کر دیتے۔

نیازمند: قبلہ عرض یہ ہے کہ اگر فقط دعاؤں سے کام چل جایا کرتا تو لوگوں کو ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مرزا صاحب: کیا مطلب ہے آپ کا؟

نیازمند: جی معروضہ یہ ہے کہ انٹیم بم اور راکٹ وی (۷) کے اس عہد میں بھلا صرف دعائے تسخیر اعداء پڑھنے سے کب کام چل سکتا ہے۔

مرزا صاحب: (چوکر) تو گویا جو کتابوں میں دعاؤں کی تاثیریں اور علیات کے کرشمے لکھے ہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔

نیازمند: ڈھکوسلے کیوں ہوتے؟ مگر جب ہم تک توپ کا مقابلہ توپ اور ٹینکوں کا مقابلہ ٹینکوں سے نہ کریں گے۔ کابیالی کی امید محال ہے۔

مرزا صاحب: (سنجیدہ ہو کر) تو اس بد نصیب نے یہ کب کہا کہ پاکستانی فوج کی توپوں اور ٹینکوں کا نیلام کر دو۔ آپ کا اچھے مرزا ان احمقوں میں نہیں ہے جو فقط خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں بھیا ہم ماسٹا اسٹریپا ہی بچے ہیں انڈیا پن سے آنکھ کھول کر فوجداریاں اور خانہ جنگیاں ہی دیکھی ہیں۔ والد صاحب قبلہ اب تک یہ عالم ہے کہ رات کو سر ہانے تلوار رکھ کر سوتے ہیں۔ نہ جانے کب دشمن میدان مانگ لے اندر یہ معمول تو اس عاجز کا بھی ہے کہ تلوار بستر کے قریب دہری رہتی ہے۔ بھئی سپاہی کی زندگی ہی کیا؟ "تلوار" بابے میرا نیس مرحوم نے کیا شعر فرمایا ہے؟

اشراف کا بناؤ رتھیوں کی شان ہے

شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

نیازمند: حضور والا خادم کی گزارش تو یہ ہے کہ یہ زمانہ تلوار کا بھی نہیں۔

مرزا صاحب : (تاؤ کھا کر) بس بس زیادہ بقراطیت نہ بگھائیے۔ آپ تلوار کی نوین کر کے گویا ہم سپاہی بچوں کی تذلیل کر رہے ہیں۔

نیازمند :۔ خیر تو حضور آپ نے ہندوستانی فوج کے بارے میں کیا طے کیا؟

مرزا صاحب :۔ (چونک کر) لیجئے اصل مسئلہ آپ کی زق زق بتی بتی میں رہ گیا اور جو کہنے کی بات تھی وہ ”عنت ربود“ ہو گئی ہاں آپ تفصیل سے بیان کیجئے کہ وزیر اعظم نے کیا اعلان فرمایا ہے۔

نیازمند : اعلان یہ ہے وزیر الممالک خان اعظم خان لیاقت علی خاں کا کہ ہندوستان کی نوے فیصدی فوج پاکستانی سرحدوں پر جمع کر دی گئی ہے اور اس فوج.....

مرزا صاحب : بس بس خدا کے لئے رحم ! اچھے مرزا چند نہیں ہے کہ ہر بات سمجھنے کیلئے آپ کے بیان کا محتاج ہو اب پورا نقشہ جنگ اس عاجز کے ذہن میں آ گیا تو گویا صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان کی نوے فیصدی فوج ہماری سرحدوں پر صف آرا ہے۔ پہلے یہ غور فرمائیے کہ ہندوستانی فوج ہے کیا؟ صدیوں کا تجربہ شاہد ہے کہ بھارتی فوج گوجر دوں، راجپوتوں، مرہٹوں اور تلنگوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ان کا طریقہ جنگ یہ ہے کہ فوج کے آگے ہاتھیوں کی صف ہوتی ہے۔ پہلے ہاتھی ”ہولا“ کر کے آگے بڑھتے اور فوج مقابل کو الٹنے پلٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے بعد گھڑ سوار اور برہما برہا تلنگے پھلکیت مرہٹے، جیلے راجپوت اور اڑیل گوجر میدان میں آتے ہیں تو اب تحقیق کرنا یہ رہ گیا ہے کہ پنڈت نہرو نے اپنی فوج کے ساتھ ذمہ داری اور لکھتے ہاتھی کتنے بھیجے ہیں۔

نیازمند : قبلہ ! لیاقت علی خاں صاحب کے بیان میں تو کہیں ”جنگی ہاتھیوں اور گھوڑوں“ کا ذکر ہے نہیں۔

مرزا صاحب : (جل کر) آپ خاکسار کے سامنے لیاقت علی خاں صاحب کی معلومات کا ذکر نہ فرمایا کیجئے ان کا سپہ گری سے کیا تعلق؟

میاں جیکر ! عزیز میکر ! بخوردار میکر !!! یہ باتیں ہم سے پوچھو بندہ درگاہ کو غازی محمد ابن قاسمؑ کے وقت سے لے کر اب تک کے سارے معرکے منہ زبانی یاد ہیں۔

پانی پت میں تین معرکے ہو چکے ہیں۔ اب آپ بیٹھے بیٹھے اس عاجز سے ان تمام معرکوں کی تفصیل سن لیجئے۔ پٹنٹ نہرو کی فوجیں اگر پاکستان کے خلاف صف آرا ہوئی ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوتا تو پتہ چلتا آپ کو گزشتہ ایک ہزار سال میں اس قسم کے معرکے نہ ہوئے ہونگے تو سینکڑوں ہوئے ہوں گے اور ان تمام جھڑپوں اور لڑائیوں میں نہ فضلہ تعالیٰ مسلمان سرخ رو اور کامیاب رہے تاہیں کہ وہ بارہ برس تک اس وسیع ملک میں تناہیں لیاں اور جہانگیر بال کرتے رہے مگر یقین کیجئے کہ ہمارے بزرگ ہماری طرح بڑے سیاست دان نہ تھے سپہ گرتھے اور جب ان پرین جاتی تھی تو جان پر کھیل جاتے تھے ہزار حیف کہ ان کم نخت فرنگیوں نے اپنی دوسو برس کی حکومت میں ہم سب کو ”ہنر اور بزدل“ بنا دیا آج پورے پاکستان میں مجھے تو کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ چھوٹا پیسہ رومال کے کونے میں باندھ اور علی شکل گٹ کا نعرہ مار میدان میں کود پڑے کہ آدمیاں! ایک ایک پکڑ ہو جائے۔ ہمارے ذریعہ عظیم بہادر نے تو یہ اعلان کر دیا کہ نہرو کی فوجیں پاکستان کے خلاف جمع ہو گئی ہیں۔ مگر یہ اعلان کون کرے گا:

پٹرھ چلو پدم کے مسند پر
دہ جنگ کریں تو جنگ کرو!
اور گھیر لو ان کو لڑتے ہیں
میدان کو ان پر تنگ کرو!

نیا زمند: قبلہ از برائے خدا آہستہ! ہماری گورنمنٹ کی پالیسی صلح پسندانہ ہے اور ”نہرو لیاقت پکٹ“ کے بعد ہمسایہ ملک کے خلاف جنگ کی تبلیغ کرنا اشارہ، کنایت، قولاً، فعلاً کوئی ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے فساد کی بڑا آتی ہو ایک حیرم ہے قابل دست اندازی پولیس۔ لہذا جذبات پر قابو رکھئے کہیں خدا نخواستہ ”سیفٹی ایکٹ“ قسم کی کوئی و بانہ پھیل جائے حضور کے دولت خانے میں؟

مرزا صاحب: (جوش میں آکر) ہم کسی سے لڑنا نہیں چاہتے۔ پٹنٹ نہرو کے خلاف ہمارے دل میں کوئی کینہ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے بھتیجے کی برابر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے

پتاجی اپنی بکھنڈہ باشی موتی لال ہمارے یار تھے مگر اچھے مرزا کلمہ حق کہنے سے کبھی نہیں ڈرتا تھا وہ ہمارے ذریعہ علم لو ناگوار لگے چاہے پیڈت نہ ہو کو قبول شخصے "فییل (FEEL) ہو....
 نیازمند: تو پھر حضور کی رائے کیا ہے؟

مرزا صاحب: ایں جانب کا خیال یہ ہے کہ دشمن کو سبقت کا موقع دیا جاوے اور پھر ڈٹ کر جواب دیا جائے اس بدمعاش کی کا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دشمن میدان میں رو در رو آنے کی جرأت نہ کرے اور کبھی آئے تو گھونگٹ کھا کر نکل جائے۔ اس صورت میں وہ جادوگروں کے ذریعے پاکستان پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ دشمن کے پاس جادوگروں کی کمی نہیں۔ دکن اور بنگال میں بھرے ہوئے ہیں۔ کالی دیوی کے ہزاروں پجاری! دریں حالات جادو کا مقابلہ عملیات سے کرنا پڑے گا۔ حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ چلہ کشوں، نالوں، فقیروں اور سیانوں کی ایک ٹوڈین بھرتی کر لے جس کا نام رکھا جائے "شکرِ انبیا دعا" کام یہ ہواں لوگوں کا کہ برسر میدان دشمن کے مقابل ردِ حسر کریں اور بس..... یہ تو ہوئیں عام ترکیبیں لیکن برخوردار! آخر اچھے مرزا کو خود بھی میدانِ عمل میں جانا ہی پڑے گا اور اس کے لئے سر و سامان کی ضرورت ہوگی ہی۔ آؤ ذرا یہ تو دیکھیں کہ بندے کے پاس مکمل سلاح و سامان جنگ موجود ہے یا نہیں؟

ساحروں سے جنگ

آپے حضرات نے نواب چچے مرزا صاحب کا اعلان جنگ پڑھا ہوگا۔ اعلان جنگ شائع کرنے کے بعد وہ بہ نفس نفیس آلمہ بنی کی طرف متوجہ ہوئے کہ اچانک گزشتہ ہفتے کی یادگار منج اندھی آگئی۔ ہوا یہ کہ مرزا جی پنک کے عالم میں نیاز مند سے میدان جنگ کا نقشہ بنوا رہے تھے۔ اور سلسلہ یہ تھا کہ اگر بھارت سرکار نے جادو گروں کے ذریعہ پاکستان پر حملہ کیا تو اس کا مورخ کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں مرزا صاحب قبلہ کی تاریخی تحقیقات بخدا سننے کے قابل ہیں فرما لگے کہ تواریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا میں جادو گروں کی فوج سب سے پہلے ”نرعون مصر“ نے تیار کی تھی اور اس فوج کا سالار اعظم سامری تھا جس نے فن سحر کو بے حد ترقی دی اور اس فن کو ٹوٹکوں، شعبدوں اور جھاڑ پھونک کی حد سے نکال کر ایک باقاعدہ علم بنا دیا۔ عربیہ القدر میں تم سے سامری کے کمالات سحر کیا بیان کروں؟ یہ تو خیر بھی کو علم ہے کہ اس نے بزور سحر ایک کچھرا بنایا تھا جو خود بولتا تھا۔ مگر یہ گتو سالہ سحر اس کے ”کمال فن“ کا صرف ایک پہلو تھا۔ اس ظالم نے یربنا طلسمات اور الواح سحر تیار کر کے اس فن کی کایا پلٹ دی خیر آسم پر سب مطلب۔ عرض کرنا یہ ہے کہ سامری کے بعد افراسیاب جادو نے دینائے سحر و سامری میں اپنی عظمت کا سنگہ رائج کیا۔ جس سے فاتحِ دواں حضرت صاحبقران امیر حمزہؑ اور ان کے رفقاء کی جنگیں ہوئیں بعد کو یہ تحقیق معلوم ہے کہ بھارت میں فن سحر ممالک بعید مثلاً کوچک باختر بالا باختر اور ملک خداوند لقا سے آیا ہے اور یہ تمام ممالک شہنشاہ افراسیاب کے زیرِ نیگیں تھے جیسا کہ شہرِ مؤرخ حضرت علامہ فردوسی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تاریخ شہانہ نامہ میں لکھا ہے تو گویا ان علم میں بھارتی ساحروں کا سرمایہ ہے جادوئے افراسیابی! اور جادوئے افراسیابی کا نور ہے

فقط اس نڈنا جیسے کمترین خلاق اچھے مرزا کے پاں ہے استنا ہوں کہ ہماری فوج طفر مروج کے
 پس سالار ہیں تیرے جنرل محمد ایوب خاں... آدمی قابل سہی، فرنگی صنع کے فی سپہ گری میں.....
 لیکن اس مزید کو کیا معلوم کہ اگر جادوگر محاکرین تو کس طرح دفاع کرنا چاہیے۔ عرض کر دوں کہ اس...
 ... ت (اچانک شور اٹھا) آندھی آگئی، آندھی آگئی، آندھی آگئی، آندھی آگئی...
 مرزا جی نہ سمجھ سکتے تھے، میدان جنگ کا نقشہ اور افیون کی ڈبیا، یہ چاروں چیزیں
 ان پر ہو گئیں اور قریب تھی کہ مرزا جی بھی بگ خاں رسید کی طرح ہوا میں اڑ جائیں کہ بندے
 نے ان کو ہتھکڑی سے تھام لیا اور اندر سے چھڑی سیگم ڈھکیں کہ از برائے خدا
 آ رہے ہیں جالیے۔ آندھی بڑی سخت ہے، اس وقت مرزا جی کی عجیب حالت تھی۔ آنکھیں پٹی
 ہوئیں جیسے پرہیز خانی۔ بند بند میں لرزہ، اچانک وہ چنچے کہ ہٹ باؤ۔ جادوگر دن کا حملہ شروع
 ہو گیا۔ چھوٹی بگم تھیں ہم کلام پاک کی۔ میری تلوار لاؤ، والٹر مرد دے ہے جو آج ان لاکھوں سال
 سے تنہا مقابلہ نہ کرے۔ یا علی ماو یا علی مدد۔

غنی امام من است و منم غلام علی
 ہزار جان گرامی ندائے نام علی

(بہ آواز بلند) اہم انصرنا علی القوم الکافرین۔ الہی ہمیں کافروں کی قوم پر فتح دے
 (چھوٹی بگم کی طرف چلا کر) اے بھئی میرا جمدھر کہاں ہے؟ جمدھر او شیر خچہ فوراً لاؤ اور خود
 وزرہ بھی۔

اٹ تملے کا زور۔ میسر۔ کی طرف سے ہے (آندھی کی طرف مگاتان کر) او دشمن
 خدا! اپنا نام بتاؤ۔ سامنے آ (جھوم کر) اگر ہمیں نہیں جانتا تو جان لے کر ہم ہیں شہر پیشہ
 شجاعت پلنگ صحرائے جرات سرور ساحراں، فاتح کافراں، درندہ میدان قتال و پرند
 غرہ جلال غلام علی تھیں یعنی نوب! جتے مرزا خلف الصدق رستم زماں مرزا پھریا (ولد
 چشم بد دور) مرزا جعفر علی مرحوم و مفور

وہ ہم ہیں کہ وقتِ بدالِ زنت ال
 اٹھانے ہیں جب تیغِ خاں اشکات
 زمانے کو دیتے ہیں سکتے ہیں ڈال
 لڑتے ہیں ہیبت سے دیوانِ قاب

اگر آج بھی خوں فسانی کریں زمانے میں صاحب قرانی کریں

یعنی اس وقت جب مرزا جی آندھی کے مقابل سینہ تان کر جھڑپ رہے تھے ایک طرف سے چھوٹی بیگم نے ان کا بازو پکڑا اور دوسری طرف سے نیاز مند نے یہ حمایت کی اور مرزا جی کو زبردستی کھینچتے ہوئے اندر کمرے میں لے آئے مرزا جی چنچتے ہی رہے کہ کم تخت کیا کر رہے ہو، بڑے معرکے کی جنگ ہو رہی ہے۔ دشمن بھرپور وار کر رہا ہے، وہ دیکھو، مرتخ جادو کے عقب میں پچاس ہزار جادو گراڑ رہا ہے آتش پر دوزخ رہا ہے بے برق صفت باقیہ میں لئے لوہے میں غرق چنگھاڑتے غل مچاتے شعلے برساتے اس طرف بڑھ رہے ہیں قسم کلام پاک کی بیوگی نے کمال کر دیا۔ واللہ ماتا ہوں اس سپہ گری کو... مگر مقابلہ اچھے مرزا سے ہے قسم عباس عمار کی۔ ایک ایک کو پر سزیدان شکست دی جاتے گی۔ اسے بچی چھوٹی بیگم آئینہ الکرسی کا حصار کھینچ لو۔ آج اس میدان میں قیامت کا رن پڑے گا مرزا جی اسی طرح جنگی نعرے بلند کرتے رہے اور نیاز مند اور بیگم صاۓ مرزا جی کو کھینچتے بہتے سخن سے کمرے میں لے آئے چونکہ آندھی کے جھونکے بڑے شدید تھے اس لئے ہر لمحہ اندیشہ تھا کہ حضرت آندھی سے اڑ نہ جائیں۔ غرض یہ کہ زبردستی مرزا جی کو کمرے میں بند کر دیا گیا اور بیگم صاحبہ نے واقعی "آیت الکرسی" کا ورد شروع کیا اور مرزا جی نے زیر لب کوئی دعا پڑھ کر دستک دی اور چھت کی طرف دیکھ کر اپنے موکلوں کو آواز دی۔

یا ایہا المیائیل ابن طینائیل ابن طالوت ابن خشتہ حاضر ہو۔

(دستک دے کر) معرکہ سخت ہے لاکھوں سارا چھ مرزا پڑ پڑ رہے ہیں۔ اے

مینحائیل لوح صاحب قرانی اور نبیہ طلسمی لے کر حاضر ہو۔

چھوٹی بیگم: اے ہے کسی پاگلوں کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا مینحائیل؟ کہاں وہ جملہ؟ کیسے جادوگر؟ آندھی پورے اٹھی ہے اور لال رنگ کی ہے۔ خدا کے لئے صلی پکار دو رکعت نماز پڑھاؤ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

مرزا جی: (تاؤ کیا کر) آپ کیا بے ہودہ باتیں کر رہی ہیں محترمہ؟ یہاں قیامت

کارن پڑ رہا ہے، برابر کی چوٹی چلی رہی ہیں پچاس ہزار ساحرہ روزنگ کا لباس پہنے شعلے برساتے

اچھے مرزا پڑھ پڑھ رہے ہیں اسآپ آندھی آندھی کا آگ الاپے جا رہی ہیں جیسے، اپنے
 لیانت علی خاں کے پاس جا کر اس قسم کی افتخاناتیں کیجئے (اچھل کر) اوم ہو ہو۔ مینے نے بھی
 حملہ کر دیا (آندھی کے زور سے کمرے کے کواڑ دھڑ دھڑاتے ہیں) مرزاجی (چنچ کر) موزیو! یہ
 معمولی دروازہ نہیں ہے کہ تمہارے نور بازو سے ٹوٹ جائے گا۔ فاتح خیبر کی قسم، یہ باب الفتح
 ہے باب الفتح یا علی عتد (بیگم صاحبہ مخاطب ہو کر) بیگم صاحبہ خدا کے لئے سوؤ
 جن کی تلاوت کیجئے۔ اشقیاء چاہتے ہیں کہ قلعے کو توڑ کر اندر داخل ہو جائیں، مگر بخدائے لایزال
 یہ ممکن نہیں ہے (نیاز مند سے) اسے بھی حمد دھراؤ، حمد صبر نہیں تو پھر تیغ، قردلی، نیزہ، چھا
 پلارک تلوار، کپچ، سانگ، دھوب، بانگ، دشمنہ پڑھو، بغدہ، گزن، غرض جو
 بھی ہاتھ لگے اس وقت دے دو۔ آخر میں کہاں تک نہتاں دشمنان اسلام سے لڑوں گا۔
 (مرزاجی جوش میں آ کر) نعرہ تکبیر (خود بخود) اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد، اسلام پائندہ باد
 اللہ اکبر! مرزاجی اس طرح اچھل کودی رہے تھے کہ بیگم صاحبہ نے کمرے کا دریکہ کھول دیا اور
 کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ آندھی اتر گئی اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔

مرزاجی (قد سے ساکن ہو کر) بیگم الحمد للہ کہ دشمن نے شکست فاش کھائی اور میدان
 جنگ سے فرار ہو گیا، افوہ! کنا بڑا معرکہ سر ہوا ہے، اس جنگ میں دشمن کے اٹھارہ سو سردار نامدار
 اس کتہ بن روزنگار کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئے ہیں اور کمال یہ ہے کہ آج اچھے مرزا ہتھالڑا
 ہے (آسمان کی طرف رخ کر کے) مولا تو نے اپنے بندہ ناجیز کی لاج رکھ لی آج وگرنہ
 خدا خواستہ کوئی ادبچ پنچ ہو جانی تو خان لیانت علی خاں کی حکومت اس حق کو تو بخیر سگریوں کا
 بوجھ یا کمبوزم کا بانی قرار دے کر یا تو سیفیٹ ایکٹ میں پکڑ لیتی یا کراچی بدر کر دیتی اور اچھے مرزا
 صحرائے سندھ میں ڈاپتا پھرتا (ماٹھے سے پسینہ پونچھ کر اور بیگم کی طرف مخاطب ہو کر) بھئی بیگم
 ہم نے اس فتح عظیم کے لئے مولا مشکل کشا کی نذرمانی تھی۔ اب ہم تذکرین کے اور کوٹلا لے چکے۔

چھٹی بیگم: خدا کے لئے، خوش کی باتیں کیجئے کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟

مرزاجی: آپ کس دنیا کی رنجے والی ہیں؟ اتنی بڑی قیامت آپ کے سرے گز گئی
 اور آپ کا بچپن نہ گیا (انہماق و نفہیم کے لہجے میں) بیگم، تمہاری جان عزیز کی قسم کراچی

پراس وقت پچاس ہزار جادو گروں نے حملہ کر دیا تھا اور چونکہ حملہ اچانک اور ناگہانی تھا اس لئے بڑا شدید اور تباہ کن تھا، وہ تو بڑی خیر ہو گئی کہ تمہارے اچھے مرزا نے بروقت دفاعی کارروائی شروع کر دی ورنہ.....

نیازمند: حضرت آندھی کی پیش گوئی تو ماہرین موسمیات ۲۴ گھنٹے قبل کر چکے تھے۔
مرزا جیسے: (حیرت سے) تو کیا آپ کے خیال مبارک میں بھی یہ صرف آندھی ہی تھی...
نیازمند: نظر تو وہ آندھی ہی آتی تھی.....

مرزا جیسے: تو کیا آپ کو منہج جادو نظر آتا ہے؟ میاں! کیا بچوں کی باتیں کر رہے ہو؟
قسم قرآن کی احمقوں کو بھی سن کر سنسی آتے، بھائی مسکرا حروں کا حملہ اسی زندگی سے
ہوا کرتا ہے۔ خیر الحمد للہ کہ بھارت کا پہلا ”ہوائی حملہ“ پکار دیا گیا۔ باقی کا انتظار ہے۔
اللہم احفظنا من سیئات اعمالنا

نواب چھ مرزا صاحب قبلہ کی پریس کانفرنس

نواب چھ مرزا صاحب قبلہ کی صحبت میں متعدد مرتبہ "پریس کانفرنس" کا در آیا۔ لیکن وہ عرصے تک "پریس کانفرنس" کا مفہوم یہ سمجھتے رہے کہ وہ پنجابیت جو چھاپے خانے میں ہوا کرتی ہے چنانچہ جب بھی ان کے سامنے لیاقت علی خاں اور چودھری سرتظفر اللہ وغیرہ کی پریس کانفرنسوں کا تذکرہ آیا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ اماں! سچ کہنا۔ کیا یہ لوگ اس قدر بے پند بے کے ہو گئے ہیں کہ چھاپے خانوں میں جا کر پھڑ جاتے اور گیس ہانکتے ہیں جب ایک روز نیاز مسند نے انہیں "پریس کانفرنس" کا مطلب سمجھایا تو فرمانے لگے کہ البتہ یہ ایک معقول بات ہوئی۔ لا حول ولا قوۃ۔ ہم ابھی تک پریس کانفرنس کی لم ہی نہ سمجھے۔ بہر حال اس روز سے مرزا صاحب تاک میں رہے کہ جب بھی موقع ہوگا، پریس کانفرنس منعقد فرمائیں گے اور مزے سے اپنا بیان دنیا بھر کے اخباروں میں چھپوائیں گے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ لیاقت علی خاں صاحب پنجاب کے دورے پر تشریف لے گئے اور اخبار نویسوں کو روز روز کے چھٹی سے چھٹی ملی۔ مرزا صاحب کو یہ موقع عنایت معلوم ہوا اور جھٹ قلمدان کھول.... نیشاپوری قلم سے زرفشانی کاغذ پر محظوظ گزار اخبار نویسوں کے نام دعوت نامے تحریر کئے۔ ہر دعوت نامے کا مضمون اس قسم کا تھا "نصاحت دستگاہ، صحافت پناہ جناب دبیر و مدیر اخبار.... بعافیت باشد اما بعد.... گزارش بخیرت علی آنکہ فدوی ہمیشہ سے غلام اہل کمال کا.... اور جاں نثار اہل قلم کا۔ ہا ہے و بیریہ کہ خود فدوی کا تعلق ایک ایسے خاندانِ فضیلت نشان سے ہے کہ شہرہ آں کا از تلاف تا بہ قاف ہے۔ پدر بزرگوار اس عاجز کے سایہ ناز لکھنؤ المسلمی

مرزا پھویا صاحب قبلہ مدظلہ العالی صاحب ہوتے ہیں اور جدا ہی اس ننگ اسلاف کے عالیجناب مرزا رٹلی صاحب علی اللہ القادر تھے کہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے نہ محتاج تشریف ہیں: محتاج تعارف۔ فدوی ہنر قلم کے کوچے کا ہی شہ سوار نہیں ہے بلکہ الحمد للہ زمرہ اہل سیف کے بھی ہے اور قسم بذات خدائے عزوجل کہ فن تیغ زنی، نیزہ بازی، صف آرائی اور شہ سواری میں یگانہ روزگار اور شہرہ آفاق گنا جاتا ہے۔ خیر آدم بے سر مطلب.... درخواست یہ ہے کہ اس بذ نصیب کی کہ آج شب کو حضورِ والا فدوی کے یہاں آتش جو اور زان خشک تناول فرما کر فدوی کو ہم شیموں میں ممتاز اور اپنے کو سرفراز فرمائیں والسلام سنت الاسلام احقر الدباد اچھے مرزا۔

مرزا صاحب کے اس خط نے کراچی کے ارباب صحافت کے حلقے میں عجب زندگی اور چپ چاپی پیدا کر دی اور وقت موعودہ پر کراچی کے بہت سے نامہ نگاران اخبارات دلوں میں بے پناہ شوق و ارمان لئے مرزا صاحب کے دروازے پر جادھکے۔ دق الباب کیا تو مرزا صاحب سر سے پاؤں تک اذچی نے دولت خانے سے برآں ہوئے۔ یہ یہاں اللہ کیا لباس تھا۔ سر پر فولادی تود، بر میں شیردانی، شیردانی پر زرہ کی قسم کی خفتان.... (واسکٹ) ایک ہاتھ میں تلوار، اور ایک ہاتھ میں خامہ مشکباز، گویا وہ سر سے پاؤں تک اہل قلم اور اہل سیف بنے ہوئے تھے۔ اتنا نہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرزا صاحب کے اس پیلے میں دیکھ کر کیا عالم ہوا ہوگا اہل صحافت کا۔ مگر کیا مجال کہ چوں کرتے، لب کھولتے تو مہ کھل باتے نہ ہلاتے تو گردن قلم ہو جاتی آنکھ اٹھاتے تو آنکھیں نکال لی جاتیں غرض یہ کہ مرزا صاحب نے نامہ نگاران اخبارات کے ہجوم کو دیوان خانے میں (مرزا صاحب نے اپنے قنبیٹ کے پردہ سے کو دیوان خانہ قرار دیا ہے) بٹھایا اور اب باضابطہ پریس کانفرنس شروع ہوئی اس پریس کانفرنس میں جو سوالات و جوابات ہوئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

نامہ نگار: کو ریک کے متعلق بناب کا کیا خیال ہے؟

مرزا صاحب: بندے نے آن تک اس مرض کا نام نہیں سنا۔ کیا ملیر یا کی قسم کا کوئی

بخار ہے؟

نامہ نگار: قبضہ مرغی نہیں ایک ملک کا: م ہے!

مرزا صاحب:۔ (حسرت سے اچھل کر) بھئی! اماں کیا سمجھ رہے ہو؟ جیسا کہ سطور واقع ہوا ہے یہ ملک؟ ہندو نے آخر کوڑوں کے ریزہ میں پڑھا۔ یا وہ جبرائیل کے ہاتھ سے عجز۔ بھلا کس ملک سے ناواقف ہیں ہم چین، ماچین، تھار، کوچکا۔ باختہ، بالباہتہ۔ کوہ قاف، فرگستان، سراندیپ، حبشہ، پرستان، ملک، اجبتہ، ملک، ملات، غرض ان تمام برعظموں کو چائے پڑا ہے یہ بد نصیب۔

تعب ہے کہ آج تک "کویا" کا نام نہیں سنا گیا، کیا کوئی جزیرہ ہے؟

نامہ نگار: قبضہ چین کے قریب ایک ملک ہے کویا؟

مرزا صاحب: تو حضرت ماچین کہتے تھے اب سارا ہندو حل ہو گیا۔ سقراطیانی کا جوہر کہتے ہیں؟ تو سنتے حضرت چین ماچین۔ ایک بہت بڑا ملک ہے کسی زمانے میں ہنشاہ افراسیاب ہارو کے ماتحت تھی اقلیم اوکوکب نوافشاں اور امیر حمزہ کے بہت سے بیچ نامور نے فتح کیا تھا اس سے زمین کو۔ اے سجان اللہ کی باران پلٹھا، مگر یہ وہاں وقت ان واقعات کی تفصیل نہیں بیان کرے گا، آپ حضرات خود اہل علم نظر آتے ہیں۔ حوالے کے لیے چند ناباب کتابوں کے نام لکھ دیتے۔ انشاء اللہ اس ملک کی پوری تاریخ معلوم ہو جائے گی۔ لکھتے ان نامہ نگاروں کے نام! ایرج نامہ ہر دوہ بلد مصنفہ منشی احمد حسین قمر مرحوم، ترجمہ، نامہ، کوکب نامہ، افراسیاب نامہ، بلد مفتہ مصنفہ ستاد فیضی ملک الشعراء دربار الہی، بوستان خیال مصنفہ اسد علی بریلوی۔ اوتہ باب کو مزید تفصیلات معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو تاریخ امیر حمزہ اور زمانہ نامہ عمیقاً ضمیر کی مطالعہ کافی ہوگا۔ یہ سب کتابیں غشی نور کشور نے چھاپی ہیں اور اس عاجز کے کتب خانے میں موجود ہیں، بدیشہ شب و روز زیر مطالعہ رہتی ہیں۔

نامہ نگار: قبلہ داد نہیں دی جا سکتی آپ سے مبلغ علم کی۔ واللہ اکمال ہو گیا، کہ کن تاریخوں کے نامہ کنوائے ہیں؟ خیر تو عرض یہ ہے کہ اس ملک میں جو جنگ ہوئی ہے اس کے متعلق کب خیال ہے آپ کا؟

مرزا صاحب (سنائے میں آکر جنگ شروع ہو گئی تو گویا یہ زمانہ دور نے

نے لوح طلسم حاصل کر لی اور گنبدِ سحر کو توڑ دیا۔

نامہ نگار : حضور ہمارے سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کیسی لوحِ طلسم، کیسا گنبدِ سحر؟
مرزا صاحب : (غور و فکر کے عالم میں آہستہ آہستہ) بے شک آپ لوگوں کو نہیں معلوم کیونکہ آپ کا مبلغ علم از پیٹرک تا بہ ایم اے محدود ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ اس بلع مسکون میں کتنے ممالک ہیں؟ کتنی بادشاہتیں ہیں؟ کتنے تاجدارانِ گردوں رکاب اپنی اپنی قلمرو میں حکمراں ہیں؟

نامہ نگار : مگر قبلہ! آخر کچھ فرمائیے تو آپ سرچ میں کیوں پڑ گئے؟
مرزا صاحب : (کسی قدر چونک کر) آپ نے کہا تھا کہ چین ماچین میں جنگ چھڑ گئی ہے، مجھے اس جنگ کی داستان والدینا بنایا کرتے تھے۔ ایرج کا چین ماچین پر حملہ بہمن ہزار دست سے زبردست مقابلہ۔ ایرج کا بہمن سے شکست کھانا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر پڑ کر جان دینے کا قصد کرنا۔ پختہ غیب سے واجبہ نصیر کا نمودار ہونا اور ایرج کو بتانا کہ جب تک لوحِ طلسم ہاتھ نہ آئے گی بہمن شکست نہ کھائے گا، لہذا تم پہلے لوحِ طلسم حاصل کرو اور اس کے بعد جنگ کا قصد کرنا۔ یہ لوح گنبدِ سحر میں محضرا ہے اور گنبد کو توڑے بغیر اس لوح کا دستیاب ہذا محال ہے۔ بندے نے یہ داستان عبرت بیان یہیں تک سنی ہے۔ اب آپ کہتے ہیں یہ قلمرو چین ماچین میں جنگ شروع ہو گئی تو لامحالہ بندے کا ذہن اس واقعے کے تاریخی پساذوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ جنگ چھڑنے کے معنی کیا ہوتے؟ یہ کہ ایرج کو لوحِ ہاتھ آگئی، گنبد کا سحر ٹوٹ گیا اور اس نے بہمن ہزار دست پر حملہ کر دیا۔ سمجھے آپ۔

نامہ نگار : قبلہ! اس لڑائی میں توڑ و میں اور اسٹالین کا مقابلہ ہے۔ یہ آپ ایرج اور بہمن کو کہاں سے لے دوڑے؟

مرزا صاحب : (کسی قدر برا فرشتہ ہو کر) سچ کہا ہے کسی نے خدا ایمان دے نہ دے غمناں ضرور دے۔ بندہ خدا میں تاریخ بیان کر رہا ہوں، آپ اخبار کی گیتوں کو لئے بیٹھیں۔ آپ اپنے کیا بن رہے؟ کو جنرل فیہ سے بالکل کو راہی ہی رکھا ہے؟ کیا بہمن نہیں معلوم کہ رومینا سربہ نامی قلمرو کے بادشاہ عالی جاہ کا نام ہے اور اس کا تعلق اس عہد کا ثانی کینا بار وکیکاؤس یعنی

شہنشاہ ملک دس ہے۔ اللہ کے بندو! کہاں ٹرو میں واسٹالین اور کہاں چین و تائپین؟
ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

نامہ نگار: مرزا صاحب! تبت پر بھی تو چین کی فوجوں نے دھاوا بول دیا
مرزا صاحب: (بلا مبالغہ سوا پانچ فٹ اچھل کر) قسم کلام مجید کی۔ ہائیں بونوں کے
ملک پر حملہ ہو گیا۔ لیجئے جناب قیامت آگئی اللہ اکبر۔ بھئی جس روزاں جانب نے مرغیوں کو
بانگ دیتے اور غورتوں کو تفریر کرتے سنا تھا اسی روز سمجھ گیا تھا کہ قیامت قریب ہے۔ لیجئے آپ نے
ان تمام اندیشوں کی تصدیق کر دی۔ کتب قدیمہ میں قرب قیامت کی جو علامتیں لکھی ہیں۔
ان میں بونوں کے ملک پر چین کے حملے کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ہے ہے کیا زمانہ آگیا
نامہ نگار:- مرزا صاحب! آخر فرمائیے تو کہ اس حملے کی اہمیت کیا ہے؟

مرزا صاحب:- حضرت! کس زبان سے بتاؤں؟..... اچھا سنئے، آپ جانتے
ہیں کہ چین کے باشندے ”چنیا بیگم“ کے شیدائی ہوتے ہیں۔ ایک ذرا سی گھول کر پی لی اور
عمر بھر کے لئے دین و دنیا سبے نیاز ہو گئے۔ چین کے لوگوں کو لڑائی بھڑائی سے کیا سر و کار؟
چنانچہ کھلی تاریخوں اور معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ چین ہمیشہ ”چنیا بیگم“ کے طفیل جنگ و
خون ریزی سے محفوظ رہے گا۔ لیکن آخر زمانے میں چین کے اندر ”افیون“ کا سمیت قحط پڑ
گا اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ رتی بھر افیون ڈھونڈے نہ ملے گی، اس وقت چینی
فوج بدحواس ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی اور ”چنیا بیگم“ کے فراق میں پہلے ”بالشیتوں اور بونوں
کے ملک“ یعنی تبت پر حملہ کرے گی۔ بالشتیے جم کر چینیوں کا مقابلہ کریں گے، مگر پھر آخر
میں اس شرط پر صلح ہو جائے گی کہ بونوں کا بادشاہ ہر سال چین کی مملکت کو دو خروار افیون
ہزار گتھے نیشکر اور ہزار پٹی قلاقت، خراج کے طور پر پیش کیا کرے گا۔ جب بونوں نے اور چینی
ایک دوسرے کے حلیف بن جائیں گے تو وہ قوم یا جوج ما جوج کے بادشاہ عالی جاہ سے
درخواست کریں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہفت اقلیم کی فتح کے لئے نقارہ جنگ
پر چوب پڑے۔ یا جوج و ما جوج کا بادشاہ بہت عرصے سے رنج مسکوں کو سخر
کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے،

دہ چینیوں اور بالشتیوں کی درخواست منظور کر کے اپنے پہاڑوں سے اترے گا۔ لشکرِ یاجوج ماجوج پوری سدِ سکندری کو چاٹ کر مضم کر لے گا اور دکان تک نہ لے گا جب یہ دیوارِ زمین کے برابر ہو جائے گی تو یاجوج ماجوج کی فرج اور چینیوں کی سپاہ تمام دنیا کو لوٹ کر صاف کر دے گی اور اس طرح قیامت آجائے گی اور حضرت اس سائے ہنگامے کی بنیاد ”چنیا بیگم“ ہونگی۔

نامہ نگار: حضور والا! یہ تو ہم سمجھ گئے کہ بالشتیوں کا ملک ”تبت“ ہے لیکن یہ قوم یاجوج ماجوج اور یہ سدِ سکندری؟

مرزا صاحب: (انتہائی افسوس کے لہجے میں) اللہ اللہ کیا زمانہ ہے کہ ہماری قوم کے نوجوان تاریخ اور جغرافیہ کو قطعاً فراموش کر چکے ہیں۔ وہ باتیں جو ہماری مانی اماں مرحومہ تک کے وردِ زبان تھیں آپ لوگوں کو اچھٹا اور عجوبہ معلوم ہوتی ہیں قسم کا ممجید کی چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ توبہ توبہ! اس قدر جہالت؟ اتنی بے خبری؟ اس درجہ سادہ لوحی؟ یعنی آپ لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ یاجوج ماجوج کی قوم کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ سدِ سکندری کس چڑیا کا نام ہے۔؟ حیف صد ہزار حیف!

نامہ نگار: حضرت! آخر زبان سے تو پھر ٹیپے کہ آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟

مرزا صاحب:- خبردار، چوبیخ سنبھالو گے در نہ قسم عکس علمدار کی سر خاک پر ٹھوکریں کھانا نظر آئے گا۔ یہ لیاقت علی خاں کی پریس کانفرنس نہیں ہے کہ بکریوں کی طرح پان چبائے جا رہے ہیں۔ بھینسوں کی طرح جگالی کی جا رہی ہے اور اونٹ کی طرح لمبلا لیا جا رہا ہے اور وزیرِ اعظم بہادر ہیں کہ ٹک ٹک، دیدم دم نہ کشیدم۔

یہ اچھے مرزا کی پریس کانفرنس ہے اور.....

مرزا صاحب کا پارہٴ غضب اوچٹ پڑھتے دیکھ کر نامہ نگارانِ صحافت کے ہوش فقر ہو گئے اور ایک ایک نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کیا۔ مرزا صاحب کا جلال

معاذ اللہ! ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور بار بار مونچوں پر تاق دیتے تھے تا اینکہ چہرہ
 نیاز مندانِ قدیم نے پانی کا گلاس پیش کیا اور مرزا صاحب پانی کے ساتھ غصے کو بھی
 نوش جان فرما گئے اور اہل کے بعد بمشکل پریس کانفرنس کو درخواست کی گئی۔

کراچی پولیس سے اچھے مرزا کی جھڑپ

پرسوں رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سنسی بھی آتی ہے اور تعجب بھی ہوتا ہے۔ بات صاف اتنی تھی کہ حسب معمول نماز عشاء کے بعد اوراد و وظائف سے فراغت پا کر مرزا صاحب قبلہ نے ایفون گھولی اور دو ایک چسکیاں لگا کر مزے سے مسہری پر دراز ہو گئے۔ ملازم نے پھوان لگا دیا اور مرزا صاحب پھوان کی نیند میں دبا اٹا غفیل۔ نیازمند قریب ہی ایک چارپائی پر لیٹا دن کے اخبارات پڑھ رہا تھا کہ اچانک بلڈنگ کی دوسری منزل سے شور اٹھا۔ ”لیجو، پکڑو، دوڑو“ بھاگنے نہ پائے۔ ساتھ ہی دھم دھم کی آوازوں سے پوری بلڈنگ گونجنے لگی، مرزا صاحب نے بھی عالم سرور میں یہ آوازیں سنیں اور اچانک بجلی کی طرح تڑپ پھوان کی نیند پھینک، حضرت چارپائی پالٹ ہو گئے۔ اتفاق سے مسہری کے پیچھے ایک خوبصورت بلا پڑا سو رہا تھا وہ بھی اس کھڑکھڑاہٹ سے چونکا اور یہ سمجھ کر کہ نہ جائے کیا آفت آرہی ہے؟ کھڑکھڑاہٹ میں ایفون کی پیالی پھینک برآمدے کی طرف دوڑا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ مرزا صاحب کی گھنگی بندھی ہوئی ہے، مسہری پر دوڑا نو بیٹھے ہیں۔ ایک ہاتھ میں تلوار کی طرح علم ہے اور دوسرے ہاتھ کو اس طرح تانے ہوئے ہیں گویا عنیم کے مقابل ڈھال سنبھالے کھڑے ہیں۔ حیران کہ پاک پروردگار یہ مرزا جی کو کیا ہو گیا؟ اتنے میں شور بہت حد تک فرو ہو گیا تھا اور بلڈنگ کے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ہاں کچھ بھی نہ تھا، خواہ مخواہ ڈرا دیا۔ اس فلیٹ والے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شغل چھوڑتے رہتے ہیں، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، چلئے آرام سے سوئیے، مگر ہمارے مرزا صاحب قبلہ اب تک اسی عالم میں مبارز طلب تھے۔ میں نے ادب سے گزارش کی کہ قبلہ

لیجئے! اب آرام فرمائیے۔ تحقیق ہو گیا کہ کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

مرزا صاحب نے جگہ کر کہا، آپ کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں؟ قسم کلام پاک کی... بہت بڑا معرکہ درپیش تھا، وہ تو یوں کہتے کہ مولا مشکل کشا نے آبرورکھ لی ورنہ آج ربنا اُخفٰظ من کلّ بلیات۔

نیازمند: حضرت کچھ فرمائیے تو آخر ہوا کیا؟

مرزا صاحب: جناب کا خیال کیا ہے؟ مرزا صاحب نے طنزاً کہا۔

نیازمند: کچھ بھی نہیں قبلہ! بلڈنگ والوں نے خواہ مخواہ شور مچا دیا تھا، چور ہے چور ہے، چور تھانہ ڈاکو۔!

مرزا صاحب: کیا خوب! (مرزا صاحب نے کسی قدر مسکراتے ہوئے طنز پر چور پر فرمایا) سچ کہا ہے کسی نے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر، یہاں آنا بڑا معرکہ پیش آ گیا اور جناب کے خیال مبارک میں بات صفتِ راستی ہی ہے کہ بلڈنگ والوں نے جھوٹ موٹ "چور ہے چور ہے" کا شور مچا دیا تھا، سبحان اللہ! آپ نے کیا اپنے اچھے مرزا کو دادِ شجاعت دی ہے۔

نیازمند: مگر آخر فرمائیے تو کہ ماجرا کیا ہے؟ میری نظروں کے سامنے تو کوئی رن پڑا نہیں آخر کس بات پر دادِ شجاعت دی؟

مرزا صاحب: جناب نے اس عاجز کی پھرتی ملاحظہ فرمائی۔

نیازمند: جی ہاں شور مچتے ہی آپ بستر سے اچھل پڑے تھے اور پھر دوزانو ہو کر اس طرح بیٹھ گئے تھے گویا کسی سے قصدِ نبرد ہے۔

مرزا صاحب: جزاک اللہ! آپ نے غنیمت کو حملہ کرتے دیکھا؟

نیازمند: نہیں۔

مرزا صاحب: آپ نے دشمن کو سر ہوتے دیکھا؟

نیازمند: جی نہیں البتہ ایک بلا ضرور افیون کی پیالی پھینک پھانک کر بھاگا تھا۔

مرزا صاحب: (کوئی دوفٹ اچھل کر) اچھا تو وہ آپ کے خیالِ مبارک میں بلا تھا۔ واللہ ان گیا کیا جا نگلوں ہے۔

نیا مند : کیا خوب وہ بلا نہیں تھا جو حضور کی مسہری کے پیچھے سے نکل کر بھاگا ہے۔
 مرزا صاحب : نہیں بر خور دار ضرور بلا تھا اگر کل جناب اس پر مصر ہو جائیں کہ یہ اونٹ نہیں ہلتی ہے
 تو ناچار یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا، واللہ کن کن عقلا سے پالا پڑا ہے اس کراچی میں؟ ایک
 خان لیاقت علی خاں ہیں جو ہر تلی کو اونٹ بنا کر دکھاتے ہیں، ایک جناب ہیں کہ ہر اونٹ
 آپ کے خیال مبارک میں ہلتا ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! مرزا صاحب کے یہی زق زق ہو رہی تھی کہ بلڈنگ کے شور
 اٹھا پولیس آگئی پولیس آگئی۔ فوراً ایک صاحب ہانپتے کانپتے دوسری منزل سے تیز تیز تیسری
 منزل میں آئے اور کہنے لگے کہ پولیس آگئی صاحب، بلڈنگ کے تمام باشندوں کو چلکر بیان
 دینا پڑے گا۔

مرزا صاحب نے فرمایا : ایں جانب بھی بیان دیں گے چلتے !
 میں نے ہر چند چاہا کہ مرزا جی اس خط سے باز آجائیں مگر توبہ کیجئے، انہیں تو کچھ گھر کے
 کی چڑھی تھی ایک نہ سنی اور اسی وقت دہلی ٹوپی سر پر رکھ کر جیب ہاتھ میں لے چکے اور
 میرا بازو پکڑ کر تیسری منزل سے دوسری منزل اور دوسری منزل سے فرش زمین پر نازل ہو گئے جہاں
 ایک برآمدے میں داروغہ صاحب بیٹھا سپاہیوں کے جلوہ فرما تھے اور بلڈنگ والوں کے
 بیانات سن رہے تھے ہر شخص قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ ...

حضرت چور و درخاک نہ تھا، ایک بڑھیا کو سوتے میں کابوس نے آدیا، وہ
 چنچیں مارنے لگی۔ لوگوں نے بلا تحقیق چور چور کا شور مچا دیا۔ مگر داروغہ صاحب کا اصرار یہ تھا کہ
 نہیں ضرور کوئی نہ کوئی واردات ہوئی ہے اور بلڈنگ والے اسے چھپانا چاہتے ہیں غضب
 خدا کا چور چور کے لغزوں سے پورا شہر نہیں تو آدھا شہر کو بج رہا تھا اور آپ حضرات کا بیان یہ
 ہے کہ ایک بڑھیا کو کابوس نے آدیا تھا نامکن۔ بجائے لایزال نامکن !

مرزا صاحب : مدح نے آگے بڑھ کر کہا کہ قبلہ ! آپ کا خیال صحیح ہے۔

داروغہ : (چونک کر اور مرزا صاحب کی طرف بغور دیکھ کر) جناب کی تعریف؟

مرزا صاحب: خاک را حقیر العباد کو اچھے مرزا کہتے ہیں۔

داروغہ: وہی اچھے مرزا نا، جن کے مضامین "اخبارات" میں برابر چھپتے رہتے ہیں
مرزا صاحب: جی بندہ پروریہ وہی بد نصیب ہے۔

داروغہ: تو قبلہ مرزا صاحب، آپ بر محل تشریف لائے، واردات بے حد سنگین
ہے اور آپ کی بلڈنگ والے اس کا اخفا کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ ہوں تو قسم رب العزت
کی ساری بلڈنگ کو زیر دفعہ ۲۱۲ الف، وزیر دفعہ ۳۱۷، ۳۷۶، ۳۴۵ ج
تغزیرات فوجداری بلکہ از روئے سائنٹی ایکٹ دھروں، لیکن کیا کروں آپ جیسے شرفا
کا قدم در میان میں ہے اس لئے مجبور ہوں۔

مرزا صاحب: جزاک اللہ خیر الجزا۔ خدا آپ کو سوائے غم حسین کے اور کسی غم میں مبتلا
نہ کرے اگر آپ جیسے غازیوں کے ہاتھ میں پاکستان کی زما کار ہو تو کفای باللہ شہید
اس ملک میں نہ چوراہوں کا نام و نشان ہے نہ جرائم کا رواج!
داروغہ: تو مرزا صاحب! پھر آپ اپنا بیان قلم بند کرا دیجئے۔
مرزا صاحب: بسم اللہ!

داروغہ: اصل واقعہ کیا ہے؟

مرزا صاحب: کیا عرض کروں حضرت؟ ماجرائے عجیب و غریب ہے۔ جگوش ہوش سماعت
فرمائیے۔ جناب نے مکتب توازن میں "دیو نہر اردست" کا نام پڑھا ہوگا۔

داروغہ: (حیرت سے) کیا فرمایا؟

مرزا صاحب: دیو نہر اردست!

داروغہ: یہ کون بزرگ ہیں؟

مرزا صاحب: واہ جناب واہ! آپ اپنی بڑی شخصیت سے واقف نہیں۔ اماں کو وقاف کا
بادشاہ جسے افراسیاب جادو نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا جو ملکہ ہرنگار کو سہری پر سے اڑا لے گیا
تھا۔ بہ مزید یاد دہانی بھی عرض کر دوں جسے امیر حمزہ نے سر میدان زیر کیا تھا۔

داروغہ: (انتہائی حیرت کے عالم میں) جی، خیر فرمائیے!

مرزا صاحب: تو بندہ نواز اس موزی کے حوالیوں موالیوں میں ایک جن ہے جس کا نام مرتخ ابن کیکائیل ابن ارق بن یوشع بن طہورت دیبند شاگرد رشید حکیم لقمان ولد حکیم فینا غورش ولد حضرت آصف ابن برخیا وزیر بادشہ حضرت سلیمان ابن داؤد علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

داروغہ: فرمائے جائیے۔

مرزا صاحب: اس ظالم جن سے بندہ کی پرانی لاگ ڈانٹ ہے۔ از لکھنؤ تا بہ کراچی۔ اس شقی نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ جب تک یادش بخیر یہ عاجز لکھنؤ میں تھا۔ مرتخ جن سے دو چار مرتبہ گلیں ہوئی اور کراچی آکر تو ہتھے ہیں دو تین مرتبہ باضابطہ معرکہ آلی ہو جانا گویا واجب ہے۔

داروغہ: نزاع و فساد کا سبب؟

مرزا صاحب: قبلہ یہ بھی ایک عجیب داستان ہے۔ رکاب گنج میں فدوی کے غریب خانے کے متصل ایک صاحب غلام حسین دثیقہ دار شاہی رہتے تھے ان کے گھر میں چشم بد دور، ایک دختر تھی سبجان اللہ! کیا حسن تھا۔

سر سے پاتک وہ نور کا عالم	چشم بد دور حور کا عالم
وہ غزالیں وہ سر مکیں آنکھیں	رشتک چشم غزال چیں آنکھیں
روئے پر نور پر وہ زلف سیاہ	چین میں جیسے رنگیوں کی سپاہ
رشتک سلمیٰ و غیتِ لیلیٰ	قدِ بالا۔ قیامتِ صنبریٰ

نام اس بدلیہ حسن و جمال اور نازنین حور تمثال کا "سمن غدار بیگم" تھا۔ بندہ بد دلی ہی سے شرابِ عشق کا لذت چشیدہ اور خوابانِ جہاں کا گردیدہ رہا ہے چنانچہ اس احقر کا سمن غدار بیگم سے

داروغہ: مرزا صاحب از برائے خدا اختصار!

مرزا صاحب: اختصار یہ کہ جب وہ ہلالِ شبِ اولِ ماہِ شبِ چہارم بنا یعنی اس صینہ کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو یہ مرتخ جن اس پر علا.....

داروغہ : تو اپنے پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ دفعہ ۱۱۲ قانون فوجداری کے ماتحت
مرزا صاحب : قبلہ ! پولیس میں رپورٹ کرایا کرتے ہیں بزدل ، بندہ تو یا علی کہہ کر دنگل میں
کو دپڑا اور مرتخ جن سے ایک کرای پکڑا ہو گئی۔

داروغہ : تو آج کل کیا صورت حال ہے ؟

مرزا صاحب : اکی روز سے یہ شقی برسرِ جدال ہے۔

داروغہ : خیر یہ داستان تو میں کسی دوسرے وقت سنوں گا۔ فی الحال تو آپ اس چور کے بارے
میں اپنا بیان درج کرا دیجئے۔ جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

مرزا صاحب : بہت بہتر۔

داروغہ : حلیہ ارشاد فرمائیے۔

مرزا صاحب : حضرت اس مردک کا ایک حلیہ ہو تو لکھواؤں۔ اونٹ وہن جائے۔ بلی کی شکل
میں ڈرائے۔ چمکا ڈرکاروپ وہ دھائے، بکرے کا بھیس وہ بدلے۔ اسی مکھی سے لے
کر عزرائیل تک جس قدر مخلوقات واقع ہوئی ہیں اور ہو سکتی ہیں، ظالم ہر اک کے جون میں لے سکتا ہے
داروغہ : آپ کا اشارہ کس طرف ہے ؟

مرزا صاحب : شقی ازیلی کی طرف۔

داروغہ : یعنی ؟

مرزا صاحب : مرتخ جن۔

داروغہ : استغفر اللہ۔ میں چور کے بارے میں پوچھ رہا ہوں اور آپ مرتخ جن کی داستان
لے بیٹھے۔

مرزا صاحب : صحیح ہے، اور آج شب وہی کم نجت چور بن کر آیا تھا۔

داروغہ : حضرت ! بھلا یہ کس طرح ممکن ہے ؟

مرزا صاحب : ممکن ہی نہیں، بندہ نواز، یقینی ہے۔ پہلے قصہ سن لیجئے۔ صبح یہ مردک چیلنج
دے گیا تھا کہ آج صبح آپ کی بلڈنگ پر لیٹا کر دوں گا۔ فدی صبح ہی سے اس یلغار کا مقابلہ
کرنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد اظلم نے حملہ کیا اور جب چھتے مرزا کو آمادہ پیکار

پایا تو بلا بن کر فرسار ہو گیا۔

داروغہ: مگر یہ باتیں رپٹ کے رجسٹر میں تو درج نہیں کی جاسکتیں۔

مرزا صاحب: کیوں نہیں درج کی جاسکتیں۔ بندہ بجلف شرعی عرض کر رہا ہے۔

داروغہ: قبلہ رجسٹر پولیس میں اس قسم کا اندراج ناممکن ہے۔

مرزا صاحب: ناممکن (اچھل کر) تو یوں کہتے کہ آپ خود ان داجرم نہیں کرنا چاہتے۔ بندہ

تو پہلے ہی جانتا تھا کہ کراچی پولیس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مجرموں کو دھڑکڑاے گی، اپنے گھامڑ پر

کا ثبوت دیتا ہے۔ بے چارہ رئیس امر دہوی روتے روتے مر گیا کہ خدا اور سول کے لئے میری

چوری کا سراغ لگا دو۔ یہ جھگڑا، اخبار کے کالم تک پہنچا مگر

کون سنتا ہے فغانِ درویش

قہرِ درویش بجانِ درویش

قسم جناب امیر کی، اگر فدوی کو شہر کی کو توالی اور فوجداری سپرد کریں چلتے تو مجرم تو

مجرم مہشتہ لوگوں تک ٹوکھٹکی پکھنچوا دے، جس نے دست درازی کی، ہاتھ قلم جس نے سر

اٹھایا۔ سرنہار د۔ چوروں، اچکوں، ڈاکوؤں، جیب کتروں، قزاقوں، شب گردوں اور صبح

خیزوں کو وہ سزا دوں کہ شہر میں لفظ ”جرم“ کے بجائے تک کرنے والے نہ ملیں۔ مگر آج جیسی

حکومت ہے ویسی پولیس، جیسے حکام، دیا عملہ۔

داروغہ: مرزا صاحب! بس کیجئے۔ آپ نے تو پوری حکومت کو ”توم“ ڈالا ہم چوروں

کی گرفتاریوں پر مامور ہوئے ہیں، نہ کہ جتنا توں کی، اس کام کے لئے عاملوں اور سیالوں کو بلائیے

مرزا صاحب: اچھا صاحب! رحم فرمائیے۔ بندہ رخصت۔

دستورِ پاکستان کی ترتیب

بہت کم خوش نصیبوں کو یہ بات معلوم ہے کہ نواب جچھے مرزا صاحب قبلہ اور تمام خوبوں اور خوش اسلوبیوں اور کمالات اور ستودہ صفات کے ساتھ اس عہد کے سب سے بڑے ماہر آئین و عالم قانون بھی ہیں اور یہ اس عالم میں کہ حضرت نے آج تک کسی آئین و قانون کا مطالعہ نہیں کیا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ نے دماغ ہی اس ترکیب کا فن کیا ہے کہ کوئی بے قاعدہ بات مغزِ مبارک میں سما ہی نہیں سکتی۔ کیا مجال کہ ایک قدم بھی بے ضابطہ اٹھے اور ایک سانس بھی بے سُر سے نکلے جب یہ خیر مسرت اثر حضرت کے سمعِ مبارک تک پہنچی کہ پاکستان کا دستور زیرِ تشکیل ہے تو مدوح کوئی سوا تین فنٹ اچھل پڑے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ:

سُن رہے ہو کہ کیا سُن رہا ہوں۔

نیاز مند: کیا۔ قبلہ۔ کیا؟

مرزا صاحب: تمہارا سر۔ اے کھبئی۔ یہ آج معلوم ہوا کہ اب تک پاکستان کی مشین کسی دستور اور قاعدے کے بغیر چلتی رہی ہے۔ سوچا کرتا تھا کہ پالنے والے! آخر یہ ہماری حکومت کے سارے کام بے ڈھنگے۔ تو کلت علی اللہ قسم کے کیوں ہوتے ہیں۔ لو صاحب۔ اونٹ بڑھا ہو گیا اور متونانہ آیا۔ ہمیں پاکستان آئے ہوئے تین سال ہو گئے اور آج تک اس بے ضابطگی اور اس بے ڈھنگے پن کی «لم» وجہ نہ دریافت ہوئی باسے۔ آج کھلا کہ اصلیت کیا ہے یعنی تماشہ تو دیکھئے کہ پاکستان بنے ہوئے تین بلکہ ساڑھے تین سال ہو گئے اور آج تک یارانِ طریقت، مزے اڑاتے اور بلا قاعدے قانون کے حکومت کی گاڑی چلاتے رہے ہیں

اے میاں! اگر دوسرے کاموں میں مصروف تھے اور دستور سازی کی مہلت نہ تھی تو ہم سے کہتے، آخر سائے کام لیاقت علی خاں اور غلام محمد اور خواجہ شہاب الدین اور چودھری طفر اللہ اور کیا نام... میاں منڈلؒ ہی کیوں کریں۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں؟ مصیبت تو یہ ہے کہ لوگ نہ خود کام کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ اب قانون بنانا بھی کوئی ایسا مشکل کام ہے جس کے لئے تین سال تک انتظار کیا جائے۔ بیسیوں لگاؤ دیوں کی خوشامد کی جگہ سات سمندریہ جاکر فرنیچر کی کتابیں لائی جائیں۔ لاہول و لاۃ۔ قسم جناب امیر کی۔ اگر وقت پڑے تو یہ بندہ ناچیز۔ ہفت اقلیم کا قانون ایک رات میں بنائے اور ایسا بنائے کہ اس کی ٹکڑ تو ٹکڑ۔ اگر اس کا پانسنگ بھی امریکہ دروس میں نکل آئے تو بیس جوتے اور حقے کا پانی۔

اس وقت مرزا صاحب حکومت پاکستان کی نالائقی پر غصے سے کانپ رہے تھے۔ چہرہ سرخ تھا۔ واقعی انہیں پہلی مرتبہ علم ہوا تھا کہ دستور اسی اب تک نہیں بنا۔ اسی تاؤ کے عالم میں دوات قلم لے، کاغذ کھینچ۔ مملکت کا پورا قانون بنا ڈالا اور انصاف سے نہ گزروں گا۔ حقیقت ہے۔ یہ ساری ہم پندرہ منٹ میں سر ہوئی اور لیجئے۔ وہ کام جسے ہماری کالٹی ٹیوٹ اسمبلی عرف مجلس دستور ساز اگست ۱۹۴۷ سے ستمبر ۱۹۵۰ تک تین بلکہ سوائین سال میں نہ کر سکی، اسے اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے نے پندرہ... تو بہ... صفر ساڑھے بارہ منٹ میں کر دکھایا۔ اس قانون کا خاکہ بلکہ خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ پاکستان کالٹی ٹیوٹ اسمبلی کے اراکین محترم۔ اپنا داغ حکومت کا روپیہ اور قوم کا وقت خراب کرنے کے بجائے مرزا صاحب کا مرتبہ و مصنفہ دستور اسی۔ بے کم و کاست۔ حرف بحرف۔ شوشہ بہ شوشہ اور نقطہ بہ نقطہ مملکت خداداد پاکستان میں رائج کریں گے۔

من نہ گویم کہ ایں آں مکن
مصلحت میں دکار آسان کن

اما بعد۔ قانون کا منشور از روئے اخلاق محسنی و گلستانِ سعدی صرف یہ ہے کہ حکومت کا نظام اور رعیت کا کام خوش اسلوبی اور اچھے ڈھنگ سے چلتا ہے۔ بندے نے کتب معتبرہ میں پڑھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا آئین اور دستور حکومت حکیم بزرگمہر نے وضع کیا تھا۔ یہ قانون اب صفحہ ارض پر موجود نہیں ہے تاہم حق سبحانہ تعالیٰ نے جن آنکھوں کو بصیرت کی دولت اور جن دماغوں کو بصارت کی سعادت عطا فرمائی ہے، وہ اس دستور کے مندرجات سے بخوبی واقف ہیں۔ علمائے دستور کے خیال کے مطابق دنیا میں اس وقت تین قسم کے دساتیر رائج ہیں:

(الف) شاہ شطرنج

(ب) بالک راج

(ج) چوٹ راج

اول الذکر کی مثال۔ فرنگی کی مملکت میں نظر آتی ہے کہ ہر امیر میں محبٹی سب کچھ ہیں اور کچھ نہیں۔

ہر چند کہیں ہے کہ نہیں ہے

آئین نامہ فرنگستان میں لکھا ہے کہ شاہ والا جاہ اگر چاہیں تو نہ صرف سارے وزیروں کو یک قلم درخواست کریں بلکہ نایاض ہوں تو مرغانا کر کھڑا کریں۔ لیکن عمل درآمد یہ ہے کہ وزیر اور امیر ہی حاکم و مختار ہیں، خود بدولت، کاغذوں پر دستخط فرمانے کے گنہ گار ہیں۔ اس جانب کے علم میں آیا ہے کہ بعض اتفاقات آسمانی سے اب تک پاکستان پر انہیں شاہ بے تاج و کلاہ اور سلطان بے فرمان کا سایہ ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اس افواہ میں کہاں تک صداقت ہے؟ لیکن اگر یہ سچ ہے کہ تو قسم۔ کلام مجید کی بندے نے اس ملک سے ہجرت کی اور چلا طرف تبت کے۔ جہاں کا بادشاہ اگرچہ گوشہ نشین ہے تاہم صاحب تاج و تکیں ہے۔ کم سے کم ایسا لگتا گذرنا تو نہیں کہ اپنے کو کسی دوسرے ملک کے بے اختیار بادشاہ کا مقلد گردانے اور اپنی سلطنت کو اس کی دولت مشترکہ کا جزو مانے۔

ان للہ وانا الیہ راجعون

نظام حکومت کی دوسری قسم ہے بالک راج جس کی بہترین مثال ہمارے پڑوس میں نظر آتی ہے۔ ہمارے پڑوس میں جو ہا پرش راج پاٹ کے کرتا دھرتا ہیں، انکی ذہنیت پر بیکانہ رنگ چڑھا ہوا ہے۔ ابھی روٹھے ابھی منے۔ اس قسم کی حکومتیں بظاہر تو بڑی ضدی لگتی ہیں۔ لیکن انکو آسانی کے ساتھ کھلونے دے کر بہلایا جاسکتا ہے۔ بندہ۔ پنڈت نہرو کا دل سے قدردان ہے۔ درحقیقت انکے گھرانے سے اس جانب کے تعلقات بھائی بندی کے ہیں۔ قبلہ والد صاحب بھی (یکوش بخیر) لکھنؤ سے الہ آباد جاتے تھے آنجنائی پنڈت موتی لال نہرو کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ ہائے کیا۔ بادشاہ خراج آدمی واقع ہوئے تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو بھی وہ کڈھلے۔ وہ ڈیل ڈول۔ وہ تن و توش۔ جارزیب ایسے کفرنگی کوٹ پیلون یا نعلی انگرکھا۔ جو کپڑا بدن پر آگیا۔ سچ گیا۔ سچ گئی قامت جاناں پہ قبلے ہر رنگ جارزیب بھی عجب جامہ زیبائی ہے

اور کھلانے پلانے والے ایسے کہ برسات کا موسم ہے تو آند بھون کے برآمدے میں جا بجا نادر رکھے ہیں اور ان میں لبالب آم بھرے ہوئے ہیں۔ موتی چورا، کافوری، زعفرانی لطیف علی والا۔ خنائی۔ حلوہ۔ شاہ پسند۔ لنگڑا، فخری، طوطا پری، جاسن، سینا پھل غرض کہاں تک گھاؤں آموں کی قسمیں؟ پنڈت جی خود ملکی دھوتی باندھے برآمدے میں ٹہل رہے ہیں۔ بھادوں ساون برس رہے ہیں اور ہر آنے جانے والے کی تواضع ہو رہی ہے کہ کھاؤ۔ بھائی آم کھاؤ۔

جاڑے آئے تو امرودوں کی بہارا گئی۔ وہ وہ شکر پاپہ امرود کہ سبحان اللہ۔ چھلکا برائے نام۔ گودا شیریں اور لالہ فام اتنا میٹھا کہ آدمی منہ مائے تو ہونٹ بند ہو جائیں۔ اور پھر جناب گرمی میں خربوزوں، تربوزوں کی فصل۔ تربوز اور خربوزے بھی ایسے جیسے ہارپے کے گانے بھیلیاں!

ن۔ تو کیا کبہ رہا تھا۔

نیاز مند : جی بالک راج کا ذکر تھا۔

مرزا صاحب : جزاک اللہ تو عرض یہ ہے کہ بندہ ۔ پٹرت جواہر لال نہرو کا نیاز مند ہے۔
 قسم چھوٹے حضرت کی۔ وہ چاہے مانیں یا نہ مانیں۔ سنا ہے بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ مگر یہ
 غم نصیب جب تک زندہ ہے، انہیں بھتیجا ہی کہے گا اور بھتیجا ہی سمجھے گا۔ بھارت سرکار کتنے
 ہی پروٹسٹ کیوں نہ کرے اور چاہے اس مسئلے پر وزیر الدولہ وزیر الممالک بہادر کو اسٹریٹو مین
 کانفرنس ہی کیوں نہ طلب کرنی پڑے؟ خیر تو حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے پٹرت نہرو کا
 راج ہے بالک راج! کبھی سن گئے، کبھی سنا گئے۔ کبھی یہ پیار محبت کہ لیاقت علی خاں جودلی
 مہمان گئے تو آنکھیں بچھا دیں۔ دیدہ دل فرش راہ کر دیئے۔ رات دن راز و نیاز۔ صبح شام
 میل ملاقات اور بھی یہ سہٹ اور ضد کہ بھائی لیاقت، بلکہ ”بھیا لیاقت“ کے خطوط کا جواب
 تک نہ دارد۔ آدم برسر مطلب۔ دستور حکومت اور نظام مملکت کی تیسری قسم کیا بتائی تھی
 ایں جانب نے؟ ہاں یاد آیا۔ تیسری قسم ہے ”چوہٹ راج“۔ مثال کہاں تلاش کروں؟
 اچھا امریکہ اور روس کی مثال لے لیجئے۔ سنا گیا ہے یہ دونوں دنیا کے بہت بڑے ملک
 ہیں۔ بلکہ دنیا میں یہ دو ہی ملک ہیں، باقی تو سب دم چھٹلے اور پڑکٹے ہیں۔ روس اور
 امریکہ میں جس قسم کا نظام حکومت قائم ہے، اس کو ”چوہٹ راج“ کہتے ہیں۔ یعنی کہنے کو
 تو آئین بھی ہے قانون بھی ہے، کونسل بھی ہے کانگریس بھی ہے۔ کینٹ بھی ہے، ووٹ
 بھی ہے۔ الیکشن بھی برپا ہوتا ہے، لیکن یہ صرف دھڑلے کے پردے اور مدار کی تماشے
 ہیں۔ حاکمان کی قوت اور جہاں بانی کی باگ دوڑ صرف دو آدمیوں کے ہاتھ میں ہے ایک
 کا نام ہے۔۔۔۔۔ تو بہ۔۔۔۔۔ ذہن سے اتر گیا۔۔۔۔۔ اماں وہ کامریڈ۔۔۔۔۔ اول ہونہ۔۔۔
 اٹالین اور روس کے بزرگ ٹرومین۔

ان دونوں بزرگوں سے بندہ متعارف نہیں۔ سنا ہے کہ اول الذکر یعنی کامریڈ اٹالین
 بڑے ہتھ چھٹ واقع ہوتے ہیں، کوئی بٹے لگا بولا اور انہوں نے کان کچڑا، سہم نہری ٹرو
 صدر امریکہ تو بظاہر بڑے سیدھے سادے بڑے بھولے بھالے اور بڑے مسکین لگتے ہیں،
 مگر۔۔۔۔۔

تجھے تیرے ہم راز کم جانتے ہیں
نرے دل میں کیا ہے ہم جانتے ہیں

تو گزارش۔ اس سنگِ مخلوقات کی یہ ہے کہ از روئے تحقیق علمائے دستور و آئین
دنیا میں دستورِ مملکت کی یہی صورت ہیں۔ شاہ شطرنج۔ بالک راج اور چوہٹ
راج۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکستان کے دستور کی نوعیت کیا ہو؟ آیا۔ ہم اپنے ملک
میں فرنگیوں کا قانون رائج کریں یا بھارتیوں کا؟ یا امریکہ و روس کے قانون پر ہاتھ صاف کریں۔
بے شک اگر ہم ایرغمبر انھو خیر قسم کے لوگ ہوتے اور ہماری قوم میں قبلہ ابوالحسن
تانا شاہ۔ اعلیٰ حضرت محمد شاہ رنیکھلے اور حضرت جانِ عالم واجد علی شاہ جیسے سلاطینِ زمانہ
اور شاہانِ یگانہ نہ پیدا ہوئے ہوتے تو ہم سوچ سکتے تھے کہ بھئی۔ اس نئی حکومت کو
چلانے کے لئے قاعدے اور ضابطے اور آئین کہاں سے لائیں؟ مگر اس کا کیا علاج
کہ ہم شامت زدوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اسے بزرگوں
نے حکومت کے قوانین اجرا رکئے تھے۔ آخر کس بنا پر یاروں نے انہیں ”تقویم پارینہ“
قرار دے دیا۔ کیا سچ محض کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ پاکستان کو کسی نئے آئین کی ضرورت
ہے۔ بندے کا گمان تو یہ ہے کہ ہماری حکومت نے ازراہ غیب پروری ”مجلس دستورینا“
کے نام سے ایک کھڑا گھڑا کر دیا ہے۔ سال میں دو بار پچاس پچاس بھلے منس سرکاری
خرچ پر کراچی آتے ہیں۔ عالی شان ہٹولیوں اور سرکاری جہان مراؤں میں ٹھہرتے ہیں۔
دن بھر تھمبی چمپیر اور راہیں کسی کلب میں بسر کر کے اس شہ نیمو سواد کی تفریح کا لطف
اٹھاتے ہیں اور سنیکڑوں روپے بھرتے تصنیف فرما لیتے ہیں اور اس کے بعد مولوی تمیز الدین غا
صد۔ عالی قدر کے جان و مال اور عمو و اقبال کو دعائیں دیتے ہوئے ٹھڈے ٹھڈے
گھروں کو سیدھا جاتے ہیں۔ آخر یہ تماشا کب تک؟

قصہ مختصر۔ اس رائدہ درگاہ کا خیال یہ ہے کہ پاکستان کا دستور ایسی سرے سے
ہونا ہی نہیں چاہیے۔ اچی ایک بادشاہ ہو باقی رہنما۔ بادشاہ بنادیا۔ گویا قانون بنادیا۔
آخر یہ مقولہ بھی تو دانش مندوں ہی کا ہے کہ:

بادشاہ کی زبان قانون ہوتی ہے۔

تو صاحب۔ ہم تو اسی زبانی قانون یا قانون بے زبانی کے قائل ہیں اب رہا یہ فوجداری اور ضابطہ دیوانی قسم کا قانون۔ تو برادرم یہ سب فرنگیوں کے ڈھکسے ہیں۔ ممکن ہے اس مقام پر کوئی احمق لقمہ دے کہ:

صاحب! یہ پارلیمنٹ اور کونسل؟ تو جواب یہ ہے کہ اکبر کے زمانے میں کون سی پارلیمنٹ تھی اور جہانگیر کون کونسل نے پریزیڈنٹ یا نہر مجبئی نامزد کیا تھا۔ اب کسی میں ہمت ہے تو کہہ کہ اکبر و جہانگیر بادشاہ ہی نہ تھے۔ جی! وہ تو ایسے ڈنکے کی چوٹ بادشاہ تھے کہ مزے سے اپنے تئیں خدا کا نائب اور خدا کا سایہ کہلاتے تھے اور پبلک سے سجدے کراتے تھے ہفت ہزار مخلوق میں سے کس نے ان پر غم نہ کیا کہ ہم کسی کے اعتراف سے ڈریں۔ ان وجوہ کے پیش نظر بندے کی مستقل رائے یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ پاکستان کے غفلان اپنا داغ فضول کی آئین سازی میں صفر کریں بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کو "اولی الامر" چن لیں اور اس کے نام کا سگہ و خطبہ جاری کر کے چین کی بنی بجائی جائے۔

العاقل تکفیتہ الاشامہ

تنبیہ الخافلین (مرزاجی کا انٹرویو)

قبلہ لڑا اب اچھے مرزا صاحب کو چہ لگا کہ کامریڈ جے۔ وی۔ اسٹالین نے ”پرودا“ (روں کا مشہور روزنامہ) کے نامہ نگار کو ایک طویل انٹرویو دیا ہے۔ اور وہ دنیا بھر کے اخبارات نے بڑے نمایاں طریقے پر چھاپا ہے۔ مرزاجی اس خبر کو سن کر پھیل گئے کہ ”بھئی انٹرویو“ دیں گے آخر کیا سبب کہ اس جانب اس حرکت کے مرتکب یا اس عزت کے مستحق نہ قرار پائیں۔ کیا ہم اسٹالین سے کسی طرح کم ہیں؟ واہ صاحب، یہ بات خوب رہی کہ کامریڈ اسٹالین تو ایک انٹرویو دے کر اتنی شاندار پبلسٹی مار دیں اور احقر الکونین اچھے مرزا لب سے بیٹھا ہے۔ قسم کلام پاک کی۔ انٹرویو دیا جائے گا اور کج ہی، چنانچہ اسی روز نامہ نگار اخبار کو مرزائے موصوت نے ماحضر تناول فرمانے کی دعوت دے دی، اور اس ماحضر تناول فرمانے کے سلسلے میں ایک اچھا خاصا انٹرویو بھی اس غریب نامہ نگار کو ہضم کرنا پڑا۔ ذیل میں نامہ نگار مذکور کے سوالات اور مرزاجی کے جوابات بعنوان ..

”تنبیہ الخافلین“ پیش کئے جاتے ہیں۔

نامہ نگار: قبلہ! ہندوستان اور پاکستان کی کرنسی کی شرح تبادلہ کے سلسلے میں جناب کا خیال کیا ہے؟

مرزاجی: شرح تبادلہ کیا برآمد ہے؟

نامہ نگار: حضور والا مطلب یہ ہے کہ حکومت ہند نے جو سہ ماہی سے ستر کی شرح تبادلہ

سہ اس زمانے میں دونوں ملکوں کے درمیان شرح تبادلہ کا ٹھیکہ چل رہا تھا۔

تسلیم کر لی ہے، تو اس سلسلے میں جناب کا نظریہ کیا ہے؟
 مرزا جی: عزیزم۔ اب اس سلسلے میں مسیگر نظریہ یا کسی کی خیال آرائی کا کیا دخل؟ یہ تو
 حالات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ لالہ بھائی مطلب کے یار ہوتے ہیں۔ جب تک لالہ جی اپنی گدی پر
 جمے رہ سکتے تھے جمے رہے اور جب یہ دیکھا کہ گدی پنچے سے سرک رہی ہے جھٹ پکتانی
 سگے کی قیمت تسلیم کر لی۔

نامہ نگار: اس فتح کا سہرا کس کے سر بندھنا چاہیے؟

مرزا صاحب: آپ کا خیال کیا ہے؟

نامہ نگار: وزیرائے کرام مُصر ہیں کہ ہمارے سر اور عوام کا مطالبہ ہے کہ ہمارے سر۔
 مرزا صاحب: اتفاق سے دونوں غلط بیانی کر رہے ہیں۔ اے بھئی ہم تو مجد اللہ امر قضاوت
 واقع ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھو کہ اس جنگ زرگری میں پاکستان کو کامیابی کس طرح نصیب
 ہوئی؟

نامہ نگار: ارشاد۔

مرزا صاحب: ارشاد یہ ہے برخوردار کہ اس کامیابی کا واحد سبب بقول مولانا علم الدین...
 ”ہذا من فضل ربی“ ہے۔ ہذا من فضل ربی وہ تیر بہدف نسخہ ہے کہ سبحان اللہ
 آپ کی حکومت کی یہی تونا عاقبت اندیشی بلکہ ناشکری ہے کہ جو کامیابیاں اس پاک پروردگار
 کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہیں انہیں اپنی تدبیر و تدبیر کا ثمرہ قرار دے دینا ناہی ہے۔ اپنی
 تدبیر و تدبیر کیا؟

ہے ادب شرط منہ نہ کھلو اتیں

سنو برخوردار۔ اگر پاکستان کے مستقبل کا انحصار صرف حکومت کی کار فرمائیوں اور
 جمہور کی دانائیوں پر ہوتا۔ یہ بات کبھی کی اسکا گئی ہوتی۔ وہ تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اس
 ”سہ سالہ بچے“ کی پرورش منظور ہے کہ پانی دودھ کا اثر اور مٹی اکیر کی طاقت بخشی
 ہے۔ اب جناب آپ سنتے جاتے اپنی حکومت کے کا نامے۔ جھوٹ بولوں تو...
 کان پکڑ... لا حول ولا قوۃ... یعنی خود تصحیح کر دینا۔ اس حکومت میں اہل کمال

کی تو گویا قد ہی نہیں۔ آپ کے اچھے مرزا کو پاکستان آئے ہوئے ساڑھے تھے ہیں بلکہ پونے چار سال ہو چکے ہیں لیکن از ناظم نظامت کراچی تا بہ وزارت مآب۔ کسی بندہ خدا کو ذوق نہیں ہوتی کہ اگر مزاج پُرسی کرنا۔ یہ لوگ اس طرح مدہوش ہو کر کام کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ”اچھے مرزا“ نامی کوئی بد نصیب پاکستان میں موجود ہے۔ ادھر اپنا حال یہ کہ کتنی مرتبہ ان لوگوں کو فی سبیل اللہ ایسے چھکے تلے جا چکے ہیں کہ چٹکی بجاتے نہ جانے کتنے مسائل حل ہو گئے ہوتے جی ہاں۔ مثالیں عرض کرتا چلوں گا، انا گاؤں دی نہیں کہ ”بادی ہوائی“ باتیں کروں۔ مثالیں سنئے۔ آج دنیا میں تیسری جنگ کا شور مچا ہوا ہے اور نہ جانے کس وقت اسٹالین و ٹرومین میں کہ ماشا اللہ دو ٹوٹے شجاعت کے شیر اور برصغیر پیکار کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔ ایک ایک پانی اور دو دو ہاتھ ہو جائیں قسم جناب امیر کی۔ اس ننگِ مخلوق کو پہلے سے اس جنگ کا اندازہ بلکہ اندیشہ تھا اور ایسے بندے نے آج نہیں۔ ایک سال قبل خان لیانت علی خاں صاحب کو صلاح دی تھی کہ خاں صاحب! بہادر وہ ہے کہ وقت سے پہلے کمر بستہ ہو جائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں اور ظاہر ہے، چاہتے ہیں کہ پاکستانی فوج ہر اعتبار سے دنیا میں بے مثل و بیگناہ ہو جائے، تو اس بیکار کی لفٹ لفٹ راست کو چھوڑ کر اسے ”فنون سپر گری“ سکھائیے۔ بانک، بوٹ، پٹ، تیغ زنی، ناوک فگنی، قدر اندازی، شہسواری اور کشتی گیری میں طاق کیجئے۔ یہ ہیں وہ صفات جو بہادروں کی ان اور سپاہیوں کی جان ہوا کرتی ہیں۔ مگر پاکستانی فوج کو سکھایا کیا جا رہا ہے؟ مارچ، اپریل اور اٹین شین! لاجول ولاقوہ، کہاں میدان داری۔ کہاں یہ زمانہ کرتب؟ قسم عباس علمدار کی۔ سپاہی بننے کا سلیقہ تک اس قوم کو نہیں آتا۔ اور بندے کی سنیں تو چھینیا بگیم کی ایک ایک گولی فوجیوں کا رشن مقرر کر دیں۔ پھر آپ دیکھیں کہ ہمارے غازی ماشا اللہ، کیا کیا رنگ دکھاتے ہیں۔ اماں! یہ تو وہ معجونِ فلک سیر ہے کہ اگر طوطے کو ذرا سی چٹا دو تو حکیم بڑی سینا کی طرح حکمت و دانش کے موتی لٹانے لگے۔ مگر جناب یہاں حکمت و دانش کی بات سنتا کون ہے؟

نارنگار: پنجاب کے انتخابات کا قضیہ تو سن لیا ہو گا آپ نے؟

مزاجی: سن لیا۔ چہ معنی دارد، یعنی بندہ بھی کوئی ایرغیر انتھو خیرا ہے کہ فقط سننے سناتے

پراکتفا کرے۔ برخوردار! احقر تو اس بساط جنگ پر، فرزیں ہو یا پیادہ، سب کی چالیں
 گن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ شاطران سیاست کیا داؤ کر رہے ہیں۔ مگر واہ ری حکومتِ
 پاکستان۔ قربان جانیے اس کاہلی، بلکہ قسم قرآن مجید کی، اس گھامڑی کے کہ پنجاب میں سب
 کچھ ہو گیا۔ مگر اب جانبے سنہالی کی درخواست تو درکنار، مشورۃ تک قبول نہ کیا، کیا کروں؟
 آپ کی حکومت نے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال رکھا ہے۔ اگر بندہ اس وقت لاہور میں ہوتا تو
 معرکہ آرائی کا ڈھنگ اور صف بندی کا رنگ دکھاتا، یہ ممدوٹ اور سہم وردی قسم رب العزت
 کی۔ ایک جھڑپ کے بھی تو نہیں۔ جینو کا ایک ملاو پھر لو پھاتھ، پوسے معرکہ کا فیصلہ کر دینے
 کے لئے کافی ہے۔ بندہ نواز۔ احقر کو تو سردار عبدالرشید پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے
 اپنی عملداری میں یہ ہنگامے پال کیوں رکھے ہیں؟ کیا ضرورت ہے الیکشن بازیوں اور
 جعل سازیوں کی؟ جسے چاہیں اپنے حضور طلب فرما کر وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ، دیوانی کا
 مرتبہ۔ وزیرالذولہ کا خطاب اور سہت ہزاری کا منصب مع مالائے مردارید و سترج
 مرصع و عماری فیل و ماہی مرتب و نقارہ و نوبت عطا فرما کر شہر میں ڈھونڈی پٹوادیں کہ آئندہ
 سے جو شخص دوٹوں اور الیکشنوں کا نام لے گا اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ کڑک دھم، کڑک دھم
 کڑک دھم۔ لیجئے جناب۔ اگر ایک لمحے میں قلم روئے پنجاب میں من بحال نہ ہو جائے تو
 اچھے مزا خطِ غلائی لکھ دے۔ اماں یہ حکمرانی ایک نعمت ہے خداداد اور یہ جہان بانی۔ ایک
 سلیقہ ہے مادر زاد، یہ جوہر کالجوں میں پڑھ کر اور یونیورسٹی کی ڈگریاں لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ وہ
 پاک پروردگار شاہد ہے کہ اس کمترین زمانہ، بندہ آئم کے گھرنے میں سات پشت تک
 خان خانانی اور عمدۃ الملکی ہوا کی ہے۔ نانا، اس تنگ روزگار کے نواب سعادت علی خاں،
 بادشاہِ اودھ کے سپیش کار اور دادا، اس عاجز کے اللہ بخشے مزا جعفر زٹلی مرحوم خاتم السلاطین
 اودھ نواب واجد علی شاہ جانِ عالم مرحوم کی سرکار میں بڑا اقتدار رکھتے تھے جانی۔ ہم نے
 وزارت کا دودھ پی کر پرورش پائی ہے۔ انگریزی عہد میں بھی اس ناچیز کا مرتبہ، صاحبانِ دیشا
 ۱۰ نواب افتخار حسین ممدوٹ مرحوم اور حسین شہید بہرورد کا مرحوم حزب اختلاف کے نمایاں لیڈروں میں شامل تھے
 ۱۱ سردار عبدالرشید، اس زمانے میں گورنر پنجاب تھے۔

کننگا ہوں میں کسی سے کم نہ تھا۔ مشتق صاحب بہادر۔ ایجرٹن صاحب بہادر، لاٹوش صاحب بہادر کے دیاروں میں ہمیشہ ساتویں صف میں آپ کے اچھے مرزا نے کرسی پائی۔ دو تین مرتبہ نواب انیسٹنٹ گورنر بہادر کی خدمت میں نذر پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو نواب انیسٹنٹ گورنر بہادر نے بجا مال بندہ نوازی ہاتھ ملا کر زبان مبارک سے فرمایا کہ:

مرزا صاحب۔ موسم بہت اچھا۔ بہت اچھا
اللہ اللہ کیا کیا۔ رعایا پروردار شریف نواز حاکم تھے (ٹھنڈی سانس بھر کر) اب وہ زمانہ کہاں؟

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

نامہ نگار: مرزا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ مہاجرین کی نسبت جناب کا خیال کیا ہے؟
مرزا صاحب: کون سے مہاجرین؟ برخوردار مہاجرین کی تو کئی قسمیں اور متعدد درجہ بندی ہیں۔ قسم اول کے مہاجرین تو وہ ہیں جو سیدھے ہوئی جہاز سے کراچی آئے اور آتے ہی وزارت کی کرسی پر براجمان ہو گئے۔ کرسی وزارت نہ ملی تو مسلم لیگ کے عہدہ صدارت پر ہاتھ مار دیا۔ یا کوئی مل الاٹ کرا کے بیٹھ گئے۔ قسم دوم مہاجرین کی وہ کہ ہوائی جہاز کی بلند پروازی ممکن نہ تھی تو ریل کے فرسٹ کلاس یا سکند کلاس میں سفر کیا اور پاکستان پہنچ کر یا ایڈری کی دکان سجالی یا پریسٹوں اور چور بازاری کی تجارت جمالی تیسری قسم کے مہاجرین میں ہم تم نجیب الطرفین شریف خاندانی قسم کے افراد شامل ہیں کہ ہجرت کے بعد نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے!

نکلے تھے جستجوئے بت خانہ و صنم میں

بہکے تو ہم بھی نکلے جا کر کہاں حرم میں

اور چوتھی قسم مہاجرین کی بقول وزیر مہاجرین وہ ہے جولا کوکھیت، قائد آباد اور گولہ مار میں ڈیرے ڈالے پڑی ہے، آپ کس قسم کے مہاجرین کی نسبت احقر کے خیالات معلوم

سہ یوپی کے ایک سابق گورنر جیسٹس

سہ یہ بھی یوپی کے ایک گورنر تھے۔

کرنا چاہتے ہیں۔

نامہ نگار: مہاجر آباد کاری کی نسبت۔

مرزا صاحب: تو سینے بندہ نواز، اول الذکر ہاجرین کی آباد کاری میں تو ہر کہ شک آرہا کافر گردو۔ اب رہ گئے ہم تم یا لا لکھیت کے شہیدانِ وفا۔ تو ان بد حالوں کی بجالی کے بارے میں اس جانب کا ایمان یہ ہے کہ:

موت ہی سے اب علاجِ دردِ ہجرت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

نامہ نگار: ایک سوال اور یا استناد۔

مرزا صاحب: ارشاد!

نامہ نگار: ہمارے زعماء کرام اور قائدانِ عظام بار بار اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں قائدِ اعظم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے اور خود ان کے ارشادات کو مشعلِ راہ نہیں بناتے، کیا یہ تضاد...
مرزا صاحب: قطع کلام معاف۔ بر خورِ دارِ عقل سے ناخن لو، کیوں اپنے رہنماؤں کو بدنام کرتے ہو۔ ان غریبوں نے کب قائدِ اعظم کے ارشادات کو مشعلِ راہ نہیں بنایا۔ اماں۔ قائدِ اعظم کے ارشادات کیا تھے؟ اتحاد۔ تنظیم۔ اور اعتقاد۔ اب دیکھ لو کہ ان تینوں ہدایات پر انہوں نے کس خوبصورتی سے عمل کیا ہے۔ اتحاد کا عالم یہ ہے کہ اگر ایک لیڈر کا بھتیجا کسی غمگین کو چھوڑتا ہے تو دوسرا فوراً اس کا جانشین قرار پا جاتا ہے ایک داماد عہدہ سفارت پر جاتا ہے تو دوسرا وزارت کی جگہ پاتا ہے۔ غرض ان لیڈروں اور لیڈر خاندانوں کے اتحاد کا عالم وہ ہے کہ جلّ و صلّ تنظیم کی صورت کا اندازہ بھی اسی اتحاد سے ہو سکتا ہے۔ اب رہا اعتقاد تو ان میں سے ہر شخص کو اپنے شاندار مستقبل پر پورا پورا اعتقاد ہے۔ پھر بھی دنیا ہے کہ ان غریبوں پر قائدِ اعظم کے احکام اور ارشادات سے روگردانی کا الزام لگانے میں نہیں چوکتی۔ اَمَّا اللّٰہُ وَ اَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

لغاتِ پاکستان

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ ہماری نسل میں "اردو نے سب" کا علم روز بروز اس طرح منفق ہوتا چلا جاتا ہے جس طرح کچلی نسلیں رفتہ رفتہ فارسی عربی کے علوم سے کوری ہو گئی تھیں۔ اگر قوم کے اعلیٰ زوال کو نہ روکا گیا تو پھر پاکستان کا خدا حافظ! مرزائے موصوف۔ اردو کے زوال و انحطاط پر بے حد دل گرفتہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ از سید ہاشم رضا تا بہ خواجہ شہاب الدین و از خواجہ شہاب الدین تا بہ لیاقت علی خاں۔ گھر دلیں ایسی پیاری اردو بولتے ہیں کہ آدمی سننے اور سُرُ دھنے، مگر جب گھر سے نکل کر دفتر میں آتے ہیں تو بد نصیب اردو کو اس طرح بھول جاتے ہیں گویا یہ کوئی ایسی بولی ہے جو ٹمبلٹویا ہانگ کانگ میں بولی جاتی ہے بقول مرزا صاحب قبلہ۔ یہ بے اعتنائی اردو کے حق میں سخت زلوں ہے۔ نظر بہ وجہ بالا۔ انہوں نے ایک نیا اردو ولنت تیار کیا ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں پڑھئے اور جوابِ داین حاصل کیجئے۔

الف: وہ حرف جس کو عشق کے قد سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ بیت بازی کا پہلا حرف اگر زبر کے ساتھ بولا جائے تو گھوڑے کے بدکنے کے معنی میں آتا ہے جیسے گھوڑا الف ہو گیا۔ بعض بدتمیز اس حرف سے ننگے پن کی تصویر بھی کھینچتے ہیں۔ مثلاً الف ننگا... اردو پڑروں میں اس حرف کا عرف انداز جوڑ کیا گیا ہے۔ الف سے انڈا قسم کلام پاک کی۔ یہودگی کی انتہا ہو گئی ہے یعنی ذرا غور کیجئے۔ کہاں الف کہاں انڈا؟ ابجد کی بسم اللہ اسی حرفِ مبارک سے ہوتی ہے کسی زمانے میں مکتب کا محاورہ تھا۔ الف خالی ب کے

نیچے ایک نقطہ۔ اس بد نصیب نے خلیفہ جعفر حسین مرحوم سے یہی پڑھا تھا۔ مگر آج کل کسی پرائمری اسکول میں الف کو خالی نہیں پڑھایا جاتا۔ بلکہ انڈے سے تشبیہ دے کر سمجھایا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انڈا خالی نہیں ہوتا۔ اگر خالی ہو تو گندہ کہلاتے اور چوراہے پر توڑ دیا جاتے۔ الف کھینچا بھی جاتا ہے اور جب خان عبدالغفار خاں کے قد و قامت کو پہنچ جاتا ہے تو الف ممدوہ تخلص اختیار کر لیتا ہے۔ جب الف ہمارے خواجہ شہاب الدین کا ہم قدم ہو کر رہ جاتا ہے تو اسے الف مقصیرہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ فارسی زبان میں الف کشیدن مشہور محاورہ ہے۔ الف کشیدن کہتے ہیں سوگ منانے اور ماتم میں بیٹھنے کو۔ لیکن اردو میں الف کی نسبت بیٹھنے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ بلکہ جہاں یہ حضت پائے جائیں گے کھڑے نظر آئیں گے۔ اللہ! اس معبودِ برحق کا اسم ذات ہے جسے مسلمانوں نے ”ہو“ کے بجائے ”ہوا“ بنا رکھا ہے۔ کراچی میں اس نام کا ایک ہوٹل اور اکی نام کی ایک دکان پائی جاتی ہے۔ بھولے بھولے مسلمانوں نے اس اسم مبارک کے ساتھ ایک ہندی لفظ ضم کر کے اللہ تعالیٰ کو ”اللہ سیاں بنا دیا ہے۔ یہی وہ مبارک نام ہے جسے طرح طرح بدنام کیا جاتا ہے۔ منبر و محراب کے کرسیاں اجتماعات اور ادبی محافل سے لے کر قومی مجالس تک۔ اس نام کے ہزاروں استعمالات ہیں۔ اگر اس نام کے شروع میں عبّیل کا اضافہ کر دیا جائے تو کشمیر کے ایک مشہور لیڈر کا نام بن جاتا ہے۔ اگر یہ اسم مبارک دو مرتبہ استعمال کیا جائے تو حبیب، تعریف اور تعجب کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے مثلاً

اللہ اللہ اس بتِ کافر کی شان

اس اسم کے ساتھ نگہبان کا اضافہ کر کے خدا حافظ کے معنی میں استعمال

کرتے ہیں۔ مرحوم چچا غالب فرماتے ہیں۔

وقتِ رخصت مجھے اللہ نگہبان نہ کہو

کیا کروں گا اگر اللہ نگہبان نہ ہوا

کبھی کبھی اس موقع پر ”اللہ سبیلی“ کا کلمہ بھی زبان پر آ جاتا ہے جھوٹی قسم کھانے

۱۔ شیخ عبداللہ جو شروع سے متنازعہ شخصیت سے ہیں۔

آبا: اماں کے شوہر نامدار اور دادا جان کے بر خور و سعادت آثار، کسی زمانے میں اس نام کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ جن بزرگوں کا تخلص آبا ہو کرتا تھا، انکو ازراہ عقیدت قبلہ و کعبہ کہا جاتا، ان کے ہاتھ سے پینا باعث سعادت اور ان کی جوتیاں سر پر رکھنا سبب از دنیا و دولت سمجھا جاتا، مگر یہ سب باتیں زمانہ جہالت کی ہیں۔ تہذیب و تمدن کے اس دورِ زریں میں آبا کا لفظ و قیاسی قرار پر کس سال باہر ہو گیا ہے، اس کے بجائے ڈیڈی اور پاپا کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں البتہ بعض پرانے خاندانوں میں پردے کی طرح ہینوز اس کا رواج باقی ہے۔ ہماری زبان میں یہ خطاب یا لفظ چار طرح استعمال ہوتا ہے یا ہوتا تھا۔ سادگی سے نظر ہو، فقط آبا مثلاً۔

مرے آبا بڑے اچھے ہیں آبا

مگر دیتے نہیں وہ ایک جٹا

پیارے میں کبھی آبا جی، کبھی آبا جان، کبھی آبا میاں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن سب عزیز من عہد قدیم کی باتیں ہیں۔ آج کل یہ لفظ اپنی تمام عظمتیں ضائع کر چکا ہے پہلے تو آبا نامی بزرگ کے سامنے بولنا اور لب کھولنا تک خلافِ ادب تھا۔ لیکن اب تو آبا جی کے سامنے بیٹھ کر ”گرل فرینڈ“ سے سنسنی مذاق تک کیا جاتا ہے اور صاحبِ اپنی محبوبہ کا تعارف اس طرح اپنے والد بزرگوار سے فرماتے ہیں کہ:

”ہلو ڈیڈی.... یہ ہیں شیریں میسر ساتھ کالج میں پڑھتی ہیں اور شیریں۔ یہ ہیں میسر نادر (یعنی آبا جان) سینٹ جان کالج کے گریجویٹ اور آج کل رہنی کے پروفیسر ہیں۔ ڈیڈی کسی روز شیریں کے ساتھ کلب چلے۔

(واللہ ماتا ہوں کیا سعادت مندی ہے)

اماں: کبھی ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہو کرتی تھی۔ بقول مرزا دبیر (بر والہ منجھہ اللہ ان کی گور کو بھٹنڈا رکھے۔

زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے

فی الحال ان کے زیر قدم صرف ادنیٰ اٹیری کا جوتا ہوتا ہے، اماں کی تصنیف

بھی ہے اور ماں بھی۔ انچھے طبقے میں علی العموم امی۔ متوسط طبقے میں اماں اور نچلے طبقے میں فقط ماں یا ”ما“ بولا جاتا ہے۔ اس کے اشتقاق بہت کثیر اور عاتقہ الورد ہیں مثلاً ماما۔ مامی۔ مامی۔ اُمّی جان وغیرہ وغیرہ۔ ماما ماما۔ اردو کا مشہور محاورہ ہے جو کبھی بطور بددعا، کبھی بطور اظہار واقعہ استعمال ہوتا ہے۔ ماما بھی ماں سے ہی مشتق ہے۔ اصل میں ماما بڑھی عورت (پیر زال) کو کہنے لگے ہیں اس نام پر سب سے بڑا ظالم بھارت میں ڈھایا گیا ہے۔ ماں کی ہندی ہے ماما۔ بھارتی لوگ اپنے دیس کو بھارت ماما کہتے ہی تھے۔ ان ظالموں نے ہر دیوی کو ماما یا ماں کہنا شروع کر دیا۔ مثلاً چچک کی دیوی کو، ستیلا ماما اور کالی دیوی کو ”کالی ماما“ کہا جاتا ہے ایک اور ستم مغربی تہذیب نے ڈھایا یہ کہ ”ہوم لینڈ“ کو ماں کہتے ہیں۔ مادر وطن۔ غرض اس دلنواز نام۔ ”ماں“ کی ٹی جس طرح اس زمانے میں پلید کی گئی ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اماں بمعنی مادر، بہ تشدید میم استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اگر الف پر زبر ہو اور م۔ الف۔ ن۔ ساکن تو ”اماں“ بنتا ہے جو اسے میاں کا مخفف ہے یہ ایک کالم خطابیہ ہے جو عموماً بزرگ اپنے چھوٹوں کے لئے اور ہم سن آپس میں استعمال کرتے ہیں مثلاً :

اماں تم نے لیاقت علی خاں کا بیان پڑھا۔

آپا : جس کی انگریزی سسٹر، ہندی دیدی، فارسی ہمشیرہ اور عربی اُخت ہے۔ سچی ہسپتالوں میں کام کرنے والی لڑکیوں کو عموماً ”سسٹر“ کہا جاتا ہے، اس کی تقلید میں ہسپتال جناح ہسپتال کراچی کی بعض نرسیں نے بھی اپنے تئیں آپا کہلوانا شروع کر دیا ہے۔

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

آپا دھانی۔ نفسا نفسی کشمکش، گڑبڑ، آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونا اگر آپ کو آپا دھانی صحیح کیفیت معلوم کرنا ہے تو پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم پر نظر ڈال لیجئے۔

آپا ج : پہلے مفلوج و معذور کو کہتے تھے، آج کل وزیر کو کہتے ہیں۔

آپ نٹری : نائب وزیر اعظم، بھارت میں سورگباشی سردار پٹیل کو کہتے تھے، آج کل اس ناکا کوئی جانور اس جنگل میں نہیں پایا جاتا۔

تقویم سال نو

کیا ٹھکانہ ہے نواب اچھے مرزا کی قابلیتِ خداداد کا۔ یہ شخص نجدِ محمودہ کمالات ہے اس عہد میں۔ طب میں یہ ملکہ کہ جالبینوس نسخہ لکھوائے۔ فلسفے میں یہ دھن کر اسطر کان پکڑے۔ عالمِ وادب میں یہ مذاق کہ فرزدی و سعیدی زانوئے لہذا نہ کریں یسویں پر سہاگہ۔ فنیان سپہ گری میں طاق پہلوانی اور کشتی گیری میں شہرِ آفاق، نجوم و رمل کی طرف آیتے تو سبحان اللہ کیا بات ہے؟ یوسلی سینا اور ابوریحان بیرونی پرسوں سبق پڑھیں اور ایک ایک نکتے پر سر دھنیں۔ یہ تو اوصاف اور ہر طرف مطلع صاف مرزا صاحب گا بے گاہے خود ہی زمانے کی ناقذ روانی پر ہنسا می سنس بھر کرتے ہیں۔ اس عالم میں استادِ ذوق کا یہ شعر ان کی زبان پر مینا ہے۔

قسمت ہی سے مجبور ہیں اے ذوق و گرنہ

ہر فن میں ہیں طاق مجھے کیا نہیں آتا

ہاں۔ تو عرض کرنا یہ تھا کہ مزاجی ”نجوم“ کے فن میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے سال کے سال ہی تقویم (زائچہ) بناتے ہیں اور جس معاملے کے تحت جو حکم لگاتے ہیں مکن نہیں کہ اس سے سرواخراف ہو جائے۔ چنانچہ مصیبت نے سالِ رواں کا بھی زائچہ بنایا ہے اور قویٰ بغیر بین الاقوامی مسائل و معاملات کے متعلق وہ وہ تیر بہارت پیشین گوئیاں کی ہیں کہ اے سبحان اللہ و ما شاء اللہ۔ مرزا صاحب سالِ رواں کو ہی اہم سال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس سال سے بیسویں صدی کا نصف آخر شروع ہوتا ہے

اور ”بیسویں صدی“ ختم نہ ہونے پائے گی کہ مزاجی کے خیال میں قیامت آجائے گی۔
اس کے معنی یہ ہونے کہ ان کے خیال مبارک میں دنیا کی عمر پینتالیس یا پچاس سال
اور رہ گئی ہے۔ ان تمام نکتوں پر نظر کر کے مرزا صاحب قبلہ نے تقویم سالِ نو تیار کی ہے۔
وہو ہذا

اما بعد۔ واضح ہو کہ نجوم فلکی اور بروج آسمانی کے مطالعے سے یہ حقیقت ظاہر
ہے کہ حکمِ اس سال کا ”مرخ خونیوار“ ہے۔ جونے زمانے کی مناسبت کے پیش نظر
گھوڑے کے بجائے ٹینک پر سوار اوریلوار کے بدلے ”ایٹیم بم“ ہاتھوں میں لئے ٹھیک
گیارہ گھنٹے، بائیس گھنٹہ اور چوبیس دقیقے پر جلوہ گر ہوا ہے۔ زنگ اس کا سرخ
ہے جو اشارہ ہے اس طرف کہ وہ ”سرخا“ واقع ہوا ہے اور کیونسٹوں کی طرف مائل
ہے خدا اس کی پھیل اور دور۔ کے بجائے سرخ شراب اور خون سے تقویمِ ملک
دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سال کے سلطان ”مرخ خونیوار“ کا جھکاؤ
شمال کی طرف اور پھیلاؤ جنوب شرق کی طرف ہے۔ مناسب یہ کہ اس کا تخت گاہ
روس کے علاقوں میں قائم ہوا ہے اور اس کی دست درازی سے جنوبی مشرقی ایشیا کے
ملک ہندوستانی، ملایا اور سیام وغیرہ کو زبردست خطرہ ہے۔

مرخ کے اثرات

چونکہ فرماں روا اس سال کا مرخ ہے۔ لہذا عامۃ الناس کے مزاجوں پر سودا ویت
اور خون کا غلبہ ہے گا۔ خونی بیماریاں، بوسیر، نکسیر، خونی پیش، پھوٹے پھنسیاں، داؤ،
زخم، دانے اور اس قسم کے دوسرے امراض جن کا تعلق خون سے ہے، عام طور پر ظاہر ہوں
گے۔ سر پھٹوں اور فوجداریاں کثرت واقع ہوں گی اور طرح طرح سے ”خون“ ہوں گے
عشاق کو ”خون تمنا کی شکایت ہوگی۔ شعرا کہیں گے کہ لیجئے ”مضمون کا خون“ ہو
گیا۔ عضل، پیدوں، ارنائوں اور مضمونوں کے خون کے ساتھ ہزاروں بے گناہوں کا
خون بھی بہے گا اور دورِ داز ممالک کی سڑ مہینیں انسانوں کے خون سے لہو لہان

ہو جائیں گی، تمام سال شفق کا رنگ اس قدر سرخ ہے گا کہ دیکھ کر لوگوں کے دل لہولہاں ہو جائیں گے، کئی جگہ خون کی بارش ہوگی اور خوں فشانی کا یہ دور دورہ کہ لگ پان کھاکر پیک تھوکیں گے تو شیہ سر بھی ساتھ تھوکنے پڑے گا کہ :

خون تھوکوں وصل کے ارمان میں

یہ کتنا یہ ہے تمہارے پان میں

محبت کی نگاہوں سے خون ٹپکے گا۔ سرخ پوش حسینوں کو ”خونی“ کہہ کر پکارا جائے گا اور دنیا کے کئی سر کردہ رہنما بواسیر خونی میں مبتلا ہو جائیں گے اس سال موسم بہار لالہ و گل کی کثرت کے سبب ”خونم خون“ نظر آئے گا، سرخ رنگ کی قدر بڑھے گی اور لوگوں کے خیالات پر سرخ روں کا اثر غالب محسوس ہوگا۔ سرخ لباس عام طور پر نظر آنے کا اور حسینوں کی لال اور ہنسیاں اور ٹول اور سرخ ریشیم کی شلواریں وہ قیامت ڈھائیں گی کہ لالہ و ارمانوں کا خون بہائیں گی۔ اگرچہ یہ نظائے دیکھ کر نفقہ بزرگوں کی آنکھوں سے خون ٹپکے گا لیکن اس کا نہ کوئی خون بہائے گا نہ سزا نہ جہنم۔

شہیدانِ وفا کا خون بہا کیا؟

شاخوں پر صرف سرخ رنگ کے پھول کھلیں گے اور کوہستانوں پر صرف ”لالے“ شگفتہ و خنداں ملیں گے۔ میکدوں میں صہبائے ناب کی ارزانی اور جام و ساغر میں ہر طرف شرابِ ارغوانی ہوگی۔ جن کے ناموں پر لالہ رنگ کا اثر غالب ہوگا، مثلاً ملک لال خاں، احمد حسین، مس حرم، مزا سرخ پوش۔ لالو، اللوانی یا مسٹر ریڈ (RED) وغیرہ۔ اس سال یہی لوگ مزخ کے اثر سے سرخ رو رہیں گے۔ مختصر یہ کہ سلطانِ فلک مزخ کی نسبت سے ۹۵۱ھ سال خونی ہے جس کا رنگ سرخ اور مزاج ”خونی“ ہے۔ سلطانِ فلک کے گلے میں لعل و یاقوت کی مالا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرخ پوشی اس کے گلے کا ہار ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں میں عقیقِ سرخ کے چھلے ہیں اور لباس سرتاپا ارغوانی رنگ کا ہے، گویا۔

سرخ پوشے لب بامِ نظری آید

پاکستان

پاکستان کے لئے یہ سال بے حد اہم ہے، اس سال ہمارے ملک میں بکثرت خون ہوں گے۔ مثلاً مسلم لیگ کے خلافت سال گزشتہ جس قدر جماعتیں قائم ہوئی تھیں وہ تقریباً اپنے ہاتھوں خود کشتی کر لیں گی ورنہ عوام خود ان کی قیادت کا خون کر دیں گے۔ مخالف لیڈروں میں جناب حسین شہید سہروردی بہت پرانے بھی ہیں سیانے بھی۔ لیکن ان کی قسمت میں اس سال سیاہی شہادت لکھی ہے۔ شہادت کا یہ رتبہ کسی دشمن کے ہاتھ سے نہیں کسی دوست کے ہاتھ سے نصیب ہوگا۔ یعنی پنجاب کے نواب ممدوہی جناح لیگ کی گند چھری عوامی لیگ کے گلے پر پھیر کر شہید صاحب کو آم باسمی ثابت کر دیں گے۔ مرتخ کے اثرات نواب ممدوہی کے زاپچے میں بھی نمایاں نظر آنے ہیں۔ مثلاً ان کا دامن جو پہلے سے ہی قومی اتحاد کے خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ اس سال اپنی اُمنگوں کے خون سے اور لتھڑ جائے گا۔ اب سہے میاں افتخار الدین۔ میاں صاحب خیالات کے اعتبار سے ”نیم سرخ“ واقع ہوئے ہیں۔ کاش وہ سو فی صدی سرخ ہوتے تو اس سال مرتخ کے اثرات سے کافی فائدہ اٹھانے۔ لیکن یہ نیمے دروں نیمے بردوں کی پالیسی سخت خطرناک ہے۔ اندیشہ ہے کہ ان کے تذبذب، ناچنگی اور نیمے دروں نیمے پڑوں پاپی کے سبب ”مرتخ دیوتا“ ان سے خفا نہ ہو جائے اور ان کی قیادت

جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

کی مصداق بن کر نہ رہ جائے۔ سال رواں مسلم لیگ کے لئے بھی چنداں خوشگوا نہیں۔ وزیراعظم خان لیاقت علی خاں اگرچہ مسلم لیگ کے صدر گرامی قدر ہیں، لیکن خود مسلم لیگ، نظریات و رجحانات کے اعتبار سے اس قدر بڑھ چکی ہے کہ جب تک اس کی رگوں میں نئے اوکار کا ”جوان خون“ نہ داخل کیا جائے گا اس کا اعادہ شباب مشکل بلکہ نامکن ہے، اس سال پاکستان بھر میں مرتخ کے اثرات نمایاں

نظر آئیں گے۔ گھروں میں میاں بیوی کے درمیان "خانہ جنگی" عام بات ہوگی توڑیں آزادی پر چلیں گی۔ مردان کی زنجیروں کو اور مضبوط و گرا بنا کر بنا چاہیں گے۔ نتیجہ ہوگا اگلی پتھر پھٹوں اور توڑوں میں! یہ خانگی جنگ "خانہ جنگی" کا روپ دھار کر تمام سٹائٹوں میں سرایت کر جائے گی۔ عجب نہیں کہ یکم لیاقت علی خاں کی کمان میں "آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن" عرب اپوا کی مسلح فوجیں پردے کے خلاف عام حمزہ شروع کر دیں اور قریب قریب ہر محاذ پر دشمن یعنی پردہ و برقع کے ٹکڑے اڑا دیں۔ اس جنگ میں لہراتے ہوئے دوپٹے "جٹ پٹیاروں" کا کام دیں گے اور پہلے ہی عام حملے میں قدامت کی بوسیدہ گڑھی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ یہ نازک انارم مگر سنگدل فوج جو حضرت آدم سے لے کر تاقاوند اعظم کو بیلا طرز جنگ میں مشاق اور دھوکہ دے کر مائے میں شہرہ آفاق ہے۔ اب برسر میدان مردوں کو لٹکائے گی اور وہ وہ دھائے مائے گی کہ قدامت پسند لوگ۔

یا شمس تبریز شباشب خیر۔ بگیر وہ ستینر

پکارا اٹھیں گے۔ عہد نوکی "فاتح عورت" تہذیب جدید کا پرچم بری شان سے لہرائے گی اور پاکستان ہر اعتبار سے فرنگستان دکھائی دینے لگے گا۔ مرتخ کے اثرات سے اس سال جنگ جوئی میں خاصا اضافہ ہوگا۔ عہدوں کی جنگ کرسیوں کی جنگ، لیڈری کی جنگ، عقائد کی جنگ، خیالات کی جنگ، نرسن ہر رنگ کی جنگ کی امنگ دلوں میں بڑھ جائے گی۔ اس سال کے اہم ترین معرکوں میں پنجاب کا انتخاب بھی یادگار رہے گا اور اگرچہ اس لڑائی میں مسلم لیگ کو کامل فتح نصیب ہوگی مگر سیاسی چھٹ بھتیجے بھی جم کر وہ مقابلہ کریں گے کہ مسلم لیگ کو دن میں تارے اوتاروں میں قیامت کے نظائے نظر آئیں گے۔

بھارت

ہمارے پڑوسی بھارت کے لئے یہ سال بے حد منحوس ہے۔ مرتخ بھارت کے

وسط میں موت اور بربادیاں برساتا نظر آتا ہے، اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ اور اس کا چہرہ جوش غضب سے متمایا ہوا ہے۔ بھارت میں سُنخوں کا زور بھارت کی سرحدوں پر سُنخ چینیوں کی نقل و حرکت اور نیپال و ناگالینڈ میں خون نشانی۔ یہ سب مترخ کے اثرات ہیں۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی مترخ بھارتیوں سے بیزار ہے اور اس پر سینیچر سوار ہے لیکن چونکہ بھارت کے بہت سے لوگ منگل دیوتا کے پجاری اور لالہ منگل سین کی قسم کے بہت سے دیش بھگت بھارت میں موجود ہیں اس لئے یہ امکان کم ہے کہ مترخ بھارت کو کوئی خاص نقصان پہنچا سکے۔ البتہ نہرو سرکار کے لئے خطرہ ضرور ہے۔ کیونکہ مترخ دیوتا یا کسی عقائد کے لحاظ سے کمیونسٹ واقع ہوا ہے۔

قربِ قیامت

اس سال کی تقویم پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اٹیم بم، آگ، بارود اور خون کے طوفان میں پوری انسانیت ڈوب جانے والی ہے۔ چین اور کوریا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ہولناک ڈرامے کی یہ سیریل ہے جو کبھی نہ کبھی بین الاقوامی ایسیج پر کھیل جائے گا اس سال سے بیسویں صدی کا نصف آخر شروع ہوتا ہے اور بندے نے نالی اماں مرحو سے سنا ہے کہ بیسویں صدی میں قیامت برپا ہوگی۔ کتبِ قدیم میں قربِ قیامت کی جو علامتیں درج کی گئی ہیں۔ وہ سب کی سب نمودار ہو گئی ہیں۔ یعنی عورتیں برقعہ اتار پھینکیں گی۔ مرد ننگ وطن ثابت ہوں گے۔ غلہ گراں ہو جائے گا۔ موت ارزاں۔ پانی شراب کے مول بکے گا، شراب پانی کے نرخ پر دستیاب ہوگی۔ انسان ہوا پر اڑیں گے۔ مصنوعی ہوا میں سانس لیں گے اور بناؤٹی زندگی پناز کریں گے۔ عورت گھر سے باہر نکل پڑے گی اور مرغی ڈربے سے، غلہ راشن سے ملے گا اور کفن پرپٹ سے! یا جوج ماجوج دیوار توڑ کر پھاند پڑیں گے اور خدا کے پرستار سر پھوٹ کر نکل جائیں گے۔ کانا دجال خاشی گدھے پر سوار ہو کر خروج کرے گا۔ الغرض یہ ہیں قربِ قیامت کی نشانیاں اور آنکھ کھول کر دیکھتے تو ان میں سے اکثر پوری ہو چکی ہیں یا پوری ہونے والی ہیں۔

اعمال وداعیہ

مختصر یہ کہ سال رواں تباہیوں کا نقیب، ہلاکتوں کا پیانہ، موت کا پیای اور تباہیوں کا ترجمان ہے۔ جو لوگ اس کی ہلاکتوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ بکثرت اعمال صالحہ بجالائیں۔ جس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ کسی منتشر جماعت میں بھرتی ہو کر صالحیت کا سرفیٹ حاصل کر لیں، جہاں تک ادویہ کا تعلق ہے تو اس سال کی بہترین دوا یہ ہے کہ الہی! پاکستان کا دستور مرتب ہو جائے۔ اگر مومنین پاکستان کے دستور سازی کی تیاری کے لئے دعا کریں اور اس کے ساتھ حسبِ توفیق قرار و مقاصد کا ایک چلہ بھی کھینچ جائیں تو انشاء اللہ بہت سی آفتوں سے محفوظ رہیں گے۔ بہر حال یہ ہیں سال رواں کے بارے میں اس حق کی پیشین گوئیاں۔

الغیب عند اللہ
والغیب عند الناس

خطبہ کبکپ

تبقریبہ موتمر عالم اسلامی پاکستان

اس خبر کی تصدیق جی جاپکی ہے کہ نواب چھپے مرزا صاحب موتمر عالم اسلامیہ کے جلسوں میں مدعو نہیں کئے گئے تھے اسے آپ خواہ موتمر عالم اسلامیہ کے گھامڑن سے تعبیر کیجئے خواہ عالم اسلام کی بد نصیبی سمجھ لیجئے۔ بہر حال امر واقعہ یہی ہے کہ موتمر کے کارکنوں نے مرزائے مدوح کی خدمت میں کوئی دعوت نامہ ارسال نہیں فرمایا تو پھر سوال یہ ہے کہ موصوف موتمر کے جلسے میں کیسے جاپہنچے؟ اور پہنچے بھی اس شان سے کہ عین لیاقت علی خاں کی تقریر کے دوران میں مرزا صاحب قبلہ کرسیاں پھلانگتے، کہنیاں مارتے، والنٹیروں سے رٹتے بھڑتے اسٹیج پر وارد بلکہ وارد اور کمال یہ کیا اہل اللہ کے بندے نے اسٹیج پر قدم رکھتے ہی گلا پھاڑ کر مبلغ ایک اس "نعرہ تکبیر بلند کر دیا، لیاقت علی خاں اپنی تقریر پر پڑھنے میں کچھ دقت و لطف ٹھوس کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرف سے کوئی مرد خدا تکبیر کا نعرہ بلند کرے تو انہیں دم لینے کا موقع مل جائے۔ مرزا صاحب کے نعرے نے "دم عیوی" کا کام کیا اور موتمر اسلامیہ کا پنڈال تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگا۔ اس کار نمایاں کو انجام دینے کے بعد مرزا صاحب نے نظر دوڑائی کہ کہیں جسم ٹیکنے اور ٹیک لگانے کی جگہ مل جائے تو دیکھا کہ اسٹیج کی تمام کرسیاں بے زیر ہیں۔ صرف خان لیاقت علی خاں کی کرسی خالی تھی۔ جناب وزارت مآب مائیکروفون کے سامنے کھڑے تھے۔ مرزا جی نے ناچار ہی کرسی پر چھاپا نا چاہا اور کرسی کو پیچھے سرکانے کی کوشش کی۔ مفتی اعظم الیچ ان ایسی کرسی صدارت پر رونق افروز تھے، ان کی نظر ٹپکی جیران کہ یہ مرد جری بہ این شوریدہ سہی

کون ہے؟ کہ وزیر اعظم پاکستان کی کرسی کو بھتیانے کی کوشش کر رہا ہے دو ایک والنٹیروں نے بھی دیکھ لیا اور مزاحی کو مشکل اس اقدام سے باز رکھا گیا۔ حیر صاحب، یہ ہے داستان، مرزا صاحب کے اجلاس مؤتمر میں تشریف لے جانے کی، بعد کو پتہ چلا کہ مرزا صاحب اجلاس میں خالی ہاتھ نہ گئے تھے بلکہ اپنا خطبہ بھی لکھ کر لے گئے تھے اور چونکہ مرزا صاحب یو یو این ٹھا کہ اس خطبہ فصیح و بلیغ کو سن کر حاضرین کے جسموں میں تھر تھری پڑ جائے گی، حاضرین پر کیکیاپٹ طاری ہو جائے گی۔ بنا بریں موصوف نے اس خطبے کا نام تجویز کیا تھا۔

خطبہ کیکیاپ

یعنی وہ خطبہ جسے سن کر کیکپی طاری ہو جائے۔ اس خطبے میں مرزا صاحب قبلہ نے عالم اسلام کے اتحاد و اخوت اور دنیا کے مسلمانوں کی بیداری و تنظیم کی اہم تجاویز پیش کی ہیں مگر افسوس کہ کارکنان مؤتمر کے پھوپھوں کے سبب یہ حرکتہ الّا خطبہ مؤتمر کے اجلاس میں نہ پیش کیا جاسکا۔ ہم خطبہ مذکور کو مرزائے مدوح کے شکرِ یے کے ساتھ درج ذیل کرتے ہیں کہ مسلمانان پاکستان تو کم سے کم اس کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد۔ شروع کرتا ہوں، ساتھ اللہ نام کے کہ ہے رحمت کرنے والا اور بہت مہربان اور رحیم! فرماتا ہے خدائے بزرگ: بیچ اپنے کلام سے مخاطب کر کے مومنوں کو کہ اے ایمان والو! تم سب اللہ کے رستے کو مضبوطی سے پکڑ لو اور مت کھنڈو کہ کھنڈنے اور بکھرنے سے تم کمزور ہو جاؤ گے) تو اے براہِ مانِ اسلامی۔ یہ ہے ارشادِ قدرت۔ ہم مسلمانوں کے لئے! اب آج جب کہ ہم سب ایک جگہ جمع ہوئے ہیں اور سر جوڑ کر بیٹھے ہیں۔ اے حضرات! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ کی وہ رستی یا رستا کہاں ہے؟ جسے مضبوطی سے پکڑ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہیں بتا سکتے۔ نہ بتا سکو گے۔ پس معلوم ہو کہ وہ رستا درحقیقت رستا نہیں ہے، بلکہ یہ استعارہ ہے، رشتہ اخوت و رستہ مودت کا یعنی مفہوم حضرت باری جلّالہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! اخوت کے ایک رشتے میں منسلک ہو جاؤ، پروئے جاؤ کہ بکھر نہ سکو، افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم مسلمان

نہ صرف اسلامی بصیرت بلکہ عام عقل و فہم سے بھی آل قدریگانہ ہو چکے ہیں کہ جہل المیتین کا ترجمہ اللہ کی رستی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا ترجمہ نشتہ اخوت ہونا چاہیے اور اگر کوئی صاحب آل اجلاس میں بندے کی عربی دانی بلکہ نفقہ فی القرآن پر اعتراض کریں تو قسم قرآن مجید کی بندہ ہیں اور اسی حکم مناظر کے کو تیار ہے

ہیں میدان ہیں چو گاہ ہیں گئے

بے کسی میں سمیت کہ اچھے مرزا کے چیلنج کو قبول کر کے میدان بحث و جدل میں قدم دھر ملایاں دین تو بہت جھگڑا لوہوتے ہیں اور الحمد للہ کہ اس اجلاس عظمت اس میں بہت سے صاحبانِ حق و دستار نظر آئے ہیں۔ بندہ مکرر مبارز طلبی کرتا ہے کہ جس کسی کو علم و زبان عربی میں مقابلہ و مجادلہ کرنا ہو تو وہ ہاتھ اٹھا دے۔ قسم جناب امیر کی ہی پٹال میں ٹپٹیا ہو جائے گا، ناکہ عالم اسلام کو پتہ چل سکے کہ پاکستان میں اچھے مرزا جیسا جیہ عالم و فاضل اور علامہ لغت عرب موجود ہے۔

ایہیا الاخوان۔ یعنی اے برادرانِ دینی!

ایں جانب کو بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ مؤتمر اسلامیہ کے کارکنوں نے آپ کی وہ خاطر نواضع نہیں کی جس کے آپ از روئے مرتبہ متحقق تھے۔ بندہ اپنی طرف سے اور ملتِ پاکستان کی جانب سے اس فرگزاشت کی معافی چاہتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ :

گر بر سرِ چشم من نشینی

مازت کشم کہ نازینی

حقیقت یہ ہے کہ ہم زبان سے اسلام اسلام پکارتے ہیں اور اسلامی تمدن اور اسلامی روایات کے اعادے کے ہزاروں دعوے کرتے ہیں، مگر حیب عمل کا وقت آتا ہے تو "مائیں مائیں فیش فیش"!!

اب بھلا غور کیجئے، اس پٹال میں جتنے لوگ جمع ہیں۔ وہ سب کچھ اللہ مسلمانوں کے نمائندے اور اسلامی ملکوں کے رہنما ہیں اب اگر کوئی ناسلام آکر دیکھے تو یہی کہے گا کہ یہ سب فرنگستانی بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ نہ ہمارے چہروں پر وارٹھی کا سا آن بورڈ لگا ہوا ہے اور

نہ لباس سے اسلامیت پہنکتی ہے۔ سر پر فرنگی ٹوپی، گلے میں ٹائی جسم پر کپڑے اور پاؤں میں
 ڈرائسنگ کا بوٹ۔ سبحان اللہ کیا اسلام ہے اور کیا مسلمان ہے؟
 اگر مسلمان ہیں است کہ حافظ دارد
 وائے گرد و پس امر و زبود فردائے

حضرات!

اسلاف کی تہذیب و تمدن کے نظام سے ان بد نصیب آنکھوں نے دیکھے ہیں...
 جہنمیں اب یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے کہ اسلام حاضر ہے اور مسلمان غائب۔ اللہ اللہ کیا
 زمانہ تھا اور کیا لوگ؟ بن و تفصیل میں نہ پڑے گا کہ طوالت کلام حماقت ہے۔ صرف
 چند بزرگوں کی مثال پیش کرے گا۔ جو اپنی وضع داری کے لحاظ سے پوری قوم کے لئے
 باعث فخر تھے، اللہ اللہ شیخ چھٹن مرحوم مرتے مرتے مر گئے۔ اپنے بیٹے سے بات
 نہ کی کیونکہ یک دفعہ انگریزی ٹوپی اس کے سر پر بچھ لی تھی جب آخری وقت آیا تو دوسنوں
 اور عزیزوں نے اصرار کیا کہ ”بٹے بیاں“ کا تصور معاف کر دیجئے۔

شیخ جی نے بعالم نزع فرمایا کہ اسی کم بخت کی نافرمانی کے سبب تو مر رہا ہوں، اسی
 کو معاف کر دوں؟ قسم پور و گار کی کبھی معاف نہ کروں گا تا اینکہ میں ان قیامت گرم ہو
 اور داو حشر غرض عدالت پر ممکن ہو کر میرے اور اس کے درمیان انصاف فرمائے۔
 عزیزان محترم! یہ بھی وہ وضع داری جس پر ہمارے بزرگوں کو ناز اور دیکھنے والوں
 کو فخر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی باپ دادا کی راہ سے بال بھر سرک جائے۔ اب انہی شیخ چھٹن
 مرحوم کو کیجئے۔ اللہ انہیں کر دے جنت نصیب کرے۔ عبادت گزار ایسے کہ
 کیسی ہی قیامت کی گرمی کیوں نہ ہو، روزے کبھی قضا نہ ہوتے تھے۔ جیسے بیساکھڑ
 جب چیل انڈا اچھوڑتی جنت آشیانی اپنے ممولات نہ چھوڑتے تھے۔ صبح کلام پاک
 کا ایک پارہ پڑھ کر میری پالی کی تیاری میں لگتے، ہاتھ کیا جو انور و میسر تھا۔ ”رستم“ نام او
 شیر جیسا کلیجہ، جب بھی پالی میں اترتا، حریف کے جڑے چکر ونگل سے نکلا۔ شیخ
 صاحب کو ”رستم“ پر فخر تھا۔ فرمایا کرتے تھے جنت آشیانی شیخ صاحب کہ بڑے بڑے

جواڑوں میں اس کی چوٹ نہیں ہے۔ مرحوم اپنے بیٹے سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ تھا بھی اسی قابل۔ ایک بار نواب اعتماد الدولہ کے دیوان خانے میں پالی جی ہوئی تھی۔ شیخ چھپٹن نے بھی اپنے ”رستم“ کو چھوڑا اور اس نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ دیکھنے والوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ جب پالی ختم ہوئی تو نواب صاحب نے اپنے پیش دست کے ذریعے شیخ صاحب کو کھلوا بھیجا کہ اگر وہ رستم کو زندہ کر دیں تو علاوہ دیگر انعام و اکرام کے نقد پانچ ہزار روپیہ پیش کیا جائے گا۔ شیخ صاحب اس خاندان کے نمک پروردہ تھے۔ آنکھوں میں آنسو لا کر کہنے لگے کہ :

”اگر حضور میری جان طلب کریں تو کوئی عذر نہ ہوگا۔ مگر رستم مجھے اپنی جان سے زیادہ

عزیز ہے۔“

سبحان اللہ! کیا خود داری تھی، یہ بھنی اسلاف کی وہ روایات جن پر ہم ناز کر سکتے ہیں، شیخ صاحب مرحوم کا تعلق چنداڑی سے تھا۔ یہ رنڈی بھی شہر بھر میں لاجواب تھی فن موسیقی کے علاوہ فن مجلس رانی میں بے مثال اور ضلع جگت بولنے اور بھیتی کسنے اور بذلہ سمجھی میں باکمال۔ شیخ صاحب مرحوم کا تعلق مدتوں چنداڑی سے رہا۔ آخر برہنہ کے تعلق دیرینہ سے گھر میں ال

۸-۹

لیا۔ دونوں مشرف یہ سعادت جج ہوئے۔

بزرگو!

آپ اتنے حضرات یہاں تشریف فرما ہیں۔ مگر کیا ایک صاحب بھی دعویٰ کر سکتے

ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے اوصاف سے متصف اور انکی خصوصیات سے آراستہ ہے۔ آپ میں سے کسی کو بھی بانک، بنوٹ، لیزا، مرغ بازی، بیٹیر بازی، شطرنج، تاش، کجھفہ، چوسرا دیننگ اڑانے کا تجربہ ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ پھر آپ کیا جانتے ہیں؟ انگریزی طریقے سے ڈانس، امریکی وضع کا بونے ڈز اور فرنگی وضع سے رہنا سہنا۔ لاجول ولاقوہ۔ اس پر یہ دعویٰ کہ ہم مسلمانوں کی غفلت کے وارث ہیں؟

وما علینا الا البلاغ المبین !

اچھے مرزا پارلیمنٹ میں

لڑا ہے اچھے مرزا ! کچھ پی گرمیوں میں بھی پارلیمنٹ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ لیکن اس مرتبہ پولیس کے جوانوں سے کچھ ایسی جھڑپ ہو گئی کہ سیر کا سارا مزہ کرکڑا ہو گیا اور مزاجی بابہ دست دگرے دست بدست دگرے !

زمانہ برسر جنگ است یا غلّی آمد ہے

کے نعرے مارتے پارلیمنٹ سے شاندار سپاہی پر محیو ہوئے البتہ اس باطل رسا تھا اور حالات سازگار ! یعنی خود پارلیمنٹ کی طرف سے بقول مزاجی ان کی خدمت میں ایک عریضہ (یعنی پاس) موصول ہوا کہ :

اے سر اپا ناز۔ قربانت شوم

باز آ۔ تانا باز۔ قربانت شوم

آئیے اور ضرور تشریف لائیے۔ پارلیمنٹ کا دعوت نامہ وصول کر کے موصوف عجب "چہ کنم" میں پڑ گئے اور آہ سرد بھر کر فرمانے لگے کہ :

ہائے۔ لکھنؤ ! تجھے کہاں سے لاؤں

کیا ہوا حضرت (نیاز مند نے سوال کیا)

ہوتا کیا بڑے کا سر۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ خاں خاناں خان بیاقت علی خاں
فلدا اللہ ملکہ و سلطانہ کے دربار دربار سے طلبی ہوئی ہے اور بندے کے پاس موزوں
لباس تک نہیں۔ کیا کردوں اور کیسے جاؤں ؟

نیازمند :- حضور کے توشے خانے میں کس چیز کی کمی ہے۔ سلی سلائی جامدانی کی اچکنیں۔ کھواب اور بانات کی شیر و انیاں، مچلی صدیاں، نیم جامے شروع کے پا جامے نہ ہی تو اعلیٰ درجے کے لٹھے کے چپت و تنگ پا جامے، غرض، خدا کے فضل سے سر کی پیشش سے لے کر زیر پائین تک ہر چیز موجود ہے، پھر کیا فکر ہے؟

مرزا صاحب :- آپ کسی اصطبل میں بندھے بھی ہیں (ذرا تیز لہجے میں) قسم کلام پاک کی۔ آپ کو یہ تک معلوم نہیں کہ سرکارِ دربار میں جانے کے لئے کس قسم کا جامہ زیب تن کرنا چاہیئے۔

نیازمند :- مگر حضرت۔ آپ کس دربار میں جا رہے ہیں کہ درباری پوشاک کی فکر کی جائے۔

مرزا صاحب :- تو جناب پارلیمنٹ کو کیا سمجھتے ہیں؟ بھٹیاری خانہ، قمار گھر، فرنگیوں کا کلب؟ آخر اس بد نصیب کو یہ پتہ چلے کہ جناب کے خیال شریف میں پارلیمنٹ کس چڑا گھر کا نام ہے؟

نیازمند :- محض ایک محفل مباحثہ یا مجلس مشاورت۔
مرزا صاحب (آسمان کی طرف بھرت دیکھ کر) الہی جن بد نصیبوں کو تو نے دوت ایمان سے محروم رکھا ہے انہیں عقل تو الاٹ کی ہوتی (نیازمند سے مخاطب ہو کر) میاں صاحبزادے! خدا کے لئے پروٹ کا بند و بست کر کے ہندوستان کی طرف دفاع ہو جاؤ، تم جیسا "عقل کل"، تو اسی دس میں ترقی کر سکتا ہے، پاکستان میں ایسے عقلاہ کی کہا گنجائش؟ اے قربان! آپ کی سمجھ بوجھ کے۔ یعنی جناب فرماتے ہیں کہ پارلیمنٹ محض ایک مجلس مشاورت ہے۔ واللہ۔ مانتا ہوں۔ کیا نکتہ سنجی فرمائی ہے یعنی جہاں وزرائے والا تبار اور حکمران وی اقتدار، بعد وقار جلوہ بار ہوں۔ وہ بزم جناب کے خیال مبارک میں محض ایک مجلس مباحثہ اور محفل مشاورت ہوگی۔ عزیر القدر!

بسیار سفر باید تا پخت شود خامے

اس عاجز نے کراچی کی دھوپ میں بال سفید نہیں کئے، جناب میر کی قسم دیکھے

ہوں گے تو سو دو سو دربار دیکھے ہوں گے۔ ملکہ وکٹوریہ کے ولی عہد پیڈروڈ (ایڈورڈ) کا دربار ۱۹۱۱ء کا ولی دربار۔ نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کا دربار۔ اور نوابین اودھ بین تو کوئی تقریب ایسی ہوتی ہی نہ تھی کہ اچھے مرزا بنفس نفیس وہاں موجود نہ ہوتا ہوتا تھا۔ سر کی قسم، ان محافل میں شرکت کرنا، اور امرار و وزراء کی نگاہوں میں اپنا وقار قائم رکھنا، ہنسی کھٹھہ بنانا۔ مختصر یہ کہ مرزا صاحب کسی طرح یہ بات ماننے پر تیار نہ ہوتے کہ پارلیمنٹ میں درباری لباس کے بغیر داخلہ ممکن ہے چنانچہ انہوں نے بقول خود...

امیر الامراء، خانخاناں خاں لیاقت علی خاں خلد اللہ ملکہ و سلطانہ کے دربار دربارین شرکت کی تیاریاں شروع کر دیں اور جس صبح کو انہیں پارلیمنٹ جانا تھا۔ ٹھیک نو بجے سح سجا کر تیار ہو گئے۔ حلیہ مبارک یہ تھا کہ سر پر سفید کچڑی، بر میں چھینٹ کا فرغل کمر میں کٹار، ہاتھ میں شمشیر آبدار، آنکھوں میں سرمہ، بالوں میں تیل، لب پر سورہ فتح!

پوچھا۔ قبلہ سورہ فتح کی تلاوت کیوں؟

فرمایا کہ آج اتفاق سے شنبہ (منگل) ہے اور سہ شنبے کا دن خصوصیت کے ساتھ سہ شنبے کے دن زوال آفتاب سے قبل کی گھڑیاں، حکام و وزراء سے ملاقات کے لئے پُر از خطر ہو کر تھیں۔ مگر بر خوردار اتم فکر نہ کرو، اچھے مرزا، انشا اللہ ان مقدمات میں دھوکہ نہیں کھاسکتا، چنانچہ یہ عاجزیہ شنبہ کی نحوست ٹالنے کے لئے صبح سے اب تک آیہ مبارکہ یا نار کوئی بردا کی ۲۱ تسمیہیں پڑھ چکا ہے اور انشا اللہ جب ہم دربارِ عظمت انار میں قدم رکھیں گے تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ فضلہ اس فقیر کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے؟ اور کیا تعجب ہے اگر خوردار کہ منصب و خطاب کا مستحق قرار پا جائے اور اسی وقت پیش گاہ وزارت عظمیٰ سے مسٹر محمد الیوب کمر و کے نام یہ فرمان قضا جراین اور منشور لا مع النور شرف صدور لائے کہ اچھے مرزا کو لاڑکانے میں ایک معقول جاگیر، نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطناً یعنی پشت و پشت عطا کر دو!

شاہاں چہ عجب گر بنوازند، گدارا

بھاتی میں تمہیں سورہ فتح کے خواص کیا بتاؤں۔ ابا جانی کا معمول تھا کہ از جنت حساب بہادرتابہ چھوٹے لاٹ صاحب جب کبھی کسی حاکم وقت کے دربار میں جانا ہوتا سورہ فتح کا ورد کرتے رہتے اور بخیریت واپسی پر دو رکعت نماز سکرانہ ادا کرتے۔ عزیز من! یہ تو بہت بڑی سرکار ہے۔ یہاں سرخ رومی اور نیک نامی حاصل کرنے کے لئے اگر پورا حتم خواجگانِ چشت بھی کیا جاتے تو کم ہے۔

یہی ذکر تھا کہ گھنٹے نے ٹن ٹن ساڑھے نو بجائے اور مرزا جی، یا علی مدد کہہ کر پارلیمنٹ چلنے کے لئے تیار ہوئے چھوٹی بیگم نے آگے بڑھ کر داہنے بازو پر اماضامن باند اور مرزا صاحب کے "رضیہ بالقضایہ و تسلیہ الامرہ" (ہم اس کے حکم پر راضی ہیں اور اس کا فرمان بجالاتے ہیں) کہہ کر قدم اٹھایا۔ قصہ مختصر۔ ٹھیک دس بجے حضور پرنور درباری لباس پہنے شمشیر برق نظیر پر ہاتھ رکھے سورہ فتح کا ورد کرتے ہوئے مع ال نیاز مند کے پارلیمنٹ کے صدر دروازے پر پہنچے۔ وہاں داخلے کے اجازت ناموں کی تصدیق ہو رہی تھی۔ ایک ہونق دروغہ نے چندھی آنکھوں پر زور ڈال کر پاس دیکھا۔ خدا خدا کر کے اس مرحلے سے فراغت پائی تو آگے قدم بڑھایا اور گیلری کے زینوں پر چڑھائی شروع ہوئی۔ مرزا جی آگے آگے اور بندہ پیچھے پیچھے۔ اب مرزا جی سورہ فتح سے فراغت پا کر جوش صنیر اور جوش کبیر کی تلاوت فرما رہے تھے تاکہ شرعاً عدل سے محفوظ رہیں (خدا جانے انہیں ایوان پارلیمنٹ میں کن اعدائے ہنجر سے خطرہ تھا) قصہ کوتاہ بہت سے زینے طے کر کے بالائی منزل پر پہنچے تو برآمدے کے نکتہ پر ایک سپرنٹنڈنٹ قسم کے مرد غنی سے کچھ ہو گئی۔ ان بزرگوار نے غالباً مرزا صاحب کی وضع کا انان آج تک نہ دیکھا تھا۔ سر پر درباری بگڑی جسم پر فرغل، کمر میں پٹکا۔ پٹکے میں کٹار، ہاتھ میں شمشیر جو ہر دارا حیران کہ محمد شاہی دور کے مرزا جعفر زٹلی کہاں سے آن پکے ہیں۔ مرزا جی چاہتے ہی تھے کہ چھپ سے اندر قدم رکھیں کہ سپرنٹنڈنٹ نے وہیں منہ مارا۔

حصنت: یہ تلوار اور کٹار یہیں رکھتے جائیے۔

مرزاجی (تاؤنکر) کیوں رکھتے جاتیں؟
 سپرنٹنڈنٹ: پارلیمنٹ میں اس قسم کی کوئی چیز A L L O W نہیں ہے۔
 مرزاجی: الاؤ کیا؟

سپرنٹنڈنٹ: آپ اندر کوئی چیز نہیں لے جاسکتے۔
 مرزاجی: سبب؟

سپرنٹنڈنٹ: پارلیمنٹ کا حفظ ادب
 مرزاجی: مگر ہمیں خود حضور پر نور نے طالب فرمایا ہے (پاس دکھا کر) اور یہ ان کا حکم طلبی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: حضور پر نور کون؟
 مرزاجی: اعلیٰ حضرت، قدر قدرت، سکندر صولت، دارا حشمت، بہرام شوکت، وارث عظمت نوشیروانی، صادق بقران ثانی، امیر الامراء خان دوراں، لیاقت علی خاں، خلد اللہ ملکہ و سلطانہ (کڑک کر چپک کر)

دور درج عظمت یگل باغ احساں، شہ ملک رفعت، مہر برج عرفاں، وزیر الممالک شہنشاہ دوراں لیاقت علی خاں

سپرنٹنڈنٹ (زچ ہو کر) خیر آپ کسی کی دعوت پر ہی کیوں نہ تشریف لائے ہوں...
 از روئے قاعدہ آپ کو یہ اختیار باہر رکھنے پڑیں گے۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کی دخل در معقولات سے مرزاجی کا پارہ غضب برابر اوپر چڑھ رہا تھا۔ نیاز مند نے سوچا کہ اگر اس وقت مرزاجی کو ٹھنڈا نہ کیا گیا تو سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ضرور برسر پارلیمنٹ گلچپ ہو جائے گی، اس لئے آہستہ سے مرزاجی صاحب کے کان میں کہہا کہ:

حضرت بعض درباروں میں خالی ہاتھ شرکت کا قاعدہ ہوتا ہے، اغلب ہے کہ یہاں بھی وہی ضابطہ رائج ہو۔

یہ نکتہ مرزاجی کے دماغ میں جاگزیں ہو گیا۔ نیاز مند کا پٹ تھپ تھپا کر فرمانے لگے کہ:

جراک اللہ، دوران نشی کا ثبوت دیا۔ چشم بد دور! چنانچہ مرزا صاحب کے کنار صرغ اور تیغ ہلالی، سپرنٹنڈنٹ صاحب کے حوالے کی اور نیاز مند کے ہم قیم آیہ کریمہ، طبعتم فادخلوا خالین، پڑھ کر پارلیمنٹ کے بالائی برآمدے (گیلری) میں داخل ہوئے تو عجیب سماں نظر آیا۔ چاروں طرف گول برآمدہ اور نیچے ایوان پارلیمنٹ مرزا صاحب اس منظر سے محظوظ ہوئے اور بے تکلف زنانہ گیلری میں گھس گئے۔ وہاں دو تین بیگمات بڑے اہتمام سے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھی مٹر غلام محمد وزیر خزانہ کی تقریر سن رہی تھیں کہ انہوں نے مزاجی کو یہاں ہیئت کنڈالی اندر گھسنے دیکھا۔ ان میں سے ایک عصفہ ڈر کر چپیں کہہ :

”اوتی یہ کون مردو ہے؟“

تمام لوگوں کی نگاہیں دھڑکتے ہوئیں۔ سب حیران کہ بارالہا، یہ کون صاحب ہیں جو دیوان خانہ چھوڑ کر حرم سرا میں اپنی آباد کاری کا انتظام فرما رہے ہیں۔ میں تو سمجھا تھا کہ اب ”فنون گٹائی پٹائی“ کے ماہرین یعنی پولیس کے اہل ڈنڈا میری اور مزاجی کی مزاج پرسی فرمائیں گے۔ مگر خیریت گزری (رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت) پولیس انسپکٹر صاحب نے کہ بحال وقار سپول کمر میں لگائے گیلری میں ادھر ادھر ٹھہر رہے تھے۔ بری آہستگی سے مزاجی سے کہا کہ قبلہ یہ زنانہ گیلری ہے۔

مرزا صاحب میں بڑا وصف انصاف پسندی کا ہے۔ چنانچہ دل میں اپنی خطا پر نادم ہو کر وہاں سے نکلے اور مردانہ گیلری میں آکر بیٹھ گئے۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ یہ بھی بڑی ناشائستہ حرکت۔ بنابرین مرزا مارے شرم اور گھبراہٹ کے پسینے پسینے ہو رہے تھے ادھر وہ بیگمات بڑے لطیف مہقہوں سے ان کی بدحواسی کی داد دے رہی تھیں۔ خیر چند لمحے بعد مزاجی کے حواس برجا ہوئے تو جیسے پانوں کی ڈبیہ طلوع ہوئی۔ چاہتے تھے کہ پان کے بیڑے سے کلمہ گرم کریں کہ انسپکٹر صاحب نے اچانک بازو کپڑا لیا۔

کیا کرتے ہو، یہاں پان کھانے کی اجازت نہیں

مزاجی :- کیا خوب، ایک آپ ہیں کہ پان کھانے سے منع فرما رہے ہیں اور ایک

اکبر و جانگیر تھے کہ اپنے درباروں میں مصاحبین و اُمراء کو پاؤں کے پیرے بطور سرفرازی عطا فرمایا کرتے تھے (مرزا جی نے گویا تاریخی شہادتوں سے پارلیمنٹ میں پان خوری کے ہوا پر تقریباً دل پذیر شروع کر دی تھی) سمجھ میں نہیں آتا کہ (انسپکٹر کی طرف اشارہ کر کے) آپ حلق کے دروغ نہ کیوں قرار پا گئے؟

مرزا جی نے اس بلند لہجے میں خطبہ رشاد فرمانا شروع کیا تھا کہ سب لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف مرکوز ہو گئی تھیں۔ نیاز مند نے محفل کا رنگ بزرگ دیکھ کر پھر مرزا جی کا شانہ جھنجھوڑا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اس اشارے پر متنبہ ہو گئے۔ قصہ مختصر۔ تھوڑی سی بک بک جھک جھک کے بعد پولیس انسپکٹر سے بھی چڈکٹ کیا اور اب مرزا جی نے گیلری سے نیچے ایوان پارلیمنٹ پر نظر ڈالی تو مہوت ہو کر رہ گئے۔

نیاز مند نے آہستہ سے دریافت کیا۔ کیوں قبلہ؟ کیا نظر آ رہا ہے؟
مرزا جی: قدرت خدا کا تماشا! اماں! دکھو تو اس اندھیکر میں کسی کسی تانبے کی تھالیاں چمکتی دکتی نظر آ رہی ہیں۔

نیاز مند: (تعجب سے) کہاں؟ تانبے کی تھالیاں کیسی؟
مرزا جی: (موڈ میں آ کر) یار آدمی ہو یا چہر غٹو؟ یعنی قسم قرآن کی کمال کر رہے ہیں آپ! بندہ نواز، ذرا آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے، ایوان پارلیمنٹ میں تانبے کی تھالیاں الٹی کر کے رکھ دی گئی ہیں۔

نیاز مند: حسرت! احقر کو تو کچھ نظر نہیں آ رہا یہ سب ممبران پارلیمنٹ جلوہ گر ہیں۔
مرزا جی: لاجول ولا قوۃ۔ لعنت بکار شیطان (ایک سنجے چمکیلے تانبے کی طرف اشارہ کر کے) اماں دکھو۔ یہ کس طرح چمک رہا ہے خالی تانبے کی تھالی ہے گویا، اور اس وضع کی بر خوردار گنتوں کتنی تھالیاں ہیں؟ (ایک ایک سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دو، تین، چار۔

نیاز مند: خدا کے لئے رحم کیجئے۔ یہ سب آنریبل ممبران پارلیمنٹ کے سر ہائے مصفا ہیں، جنہیں آپ تانبے کی تھالیاں سمجھ رہے ہیں۔

مرزا صاحب (حیرت زدہ ہو کر) اے یہ سب گنج کی بہار ہے۔ سبحان اللہ کیا

کیا خوش اقبال لوگ ہیں کہ سروں پر چاند چمک رہے ہیں۔

اتنی دیر میں چھوٹے قدم کے ایک آنر سبیل ممبر پارلیمنٹ تقریر سے لئے اٹھے اور اس زور شور سے ممبران پارلیمنٹ اور صاحب صدر کو مخاطب کر کے بولنا شروع کیا کہ پورا ایوان گونج اٹھا ان کی تقریر سے!

مرزا جی کو انکی تقریر میں قدر بھائی۔ اتنی پسند آئی کہ ہم تن گوش بلکہ خود فراموش ہو گئے۔ تاہم عالم خود فراموشی میں پانوں کی ڈیا جیجے نکل کر کھٹ سے فرش گر پڑی مگر خود بدولت متنبہ ہوئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر اس پستہ قدم ممبر پارلیمنٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”لختِ جگر یہ مینی خون ہے؟“

نیازمند: یہ بھی ایک ممبر ہیں پارلیمنٹ کے۔

مرزا جی: کیا بالشتیوں کے جزیرے سے نمائندگی کے لئے نثر ریف لائے ہیں جوگا؟

نیازمند: بالشتیوں کے جزیرے سے؟ یعنی جہ؟

مرزا جی: (تنگ آکر) تو بہ... آدمی ہو یا لالہ منگل سین؟ یعنی یہ بات جناب کے

دماغ مبارک میں نہیں سماتی کہ بالشتیوں کے جزیرے کا نمائندہ بھی پارلیمنٹ میں آسکتا ہے۔

نیازمند: میں نے بندہ نواز! کسی کتاب میں اس جزیرے کا حال نہیں پڑھا۔

مرزا جی: تو معلوم ہوا کہ جناب تاریخ اور جغرافیہ دونوں سے کوئے ہیں۔

نیازمند: ممکن ہے۔

مرزا جی: (ای نبر کی طرف اشارہ کر کے) مگر فرما کیلئے ہے ہیں چڈا گل خیر و، بھٹی قسم

چھوٹے حضرت کی۔ آدمی بالشت بھر کا ضرور ہے، مگر ہے جیوٹ، تیور دیکھ

ہے ہو، قسم خدا کی کیا چوکی لڑ رہا ہے، شایش بیٹے شایش۔

نیازمند: جی ہاں، یہ صاحب ریڈیکل گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مرزا جی: اگل گروپ؟ یعنی وہ جو اگل چوہا کتا ہے۔

نیازمند: جی اگل گروپ نہیں، ریڈیکل گروپ۔ یعنی وہ لوگ جو انتہا پسندانہ نقطہ نظر

رکھتے ہیں۔

مرزا جی: یعنی۔

نیازمند: مجسدا یوں سمجھئے کہ یہ پوزیشن پارٹی کے رکن ہیں۔

مرزا صاحب: ذرا وضاحت کے ساتھ فرمائیے۔

نیازمند: یعنی مخالف پارٹی کے ممبر

مرزا صاحب: (اچھل کر) ہائیں... اماں... کیا کہہ رہے ہو... ذرا سیکر سر پر پاؤں رکھ کر کہنا۔ پارلیمنٹ میں مخالف پارٹی کا کیا کام؟ ہوش میں ہو یا خدا خواستہ!

نیازمند: قبلہ! جمہوریت کا اصول ہی یہ ہے:

مرزا جی: تولدنت ہے اس اصول پر۔ کہو، بیش باد۔ ہائیں اب نوبت یابی جا

رسید کہ دربار شاہی میں خود حضور پر پوزر کے سامنے مخالفین حکومت ٹھٹھاٹ سے

جھے بیٹھے ہیں قسم جناب امیر کی بس اتنا ہے... کیوں میاں؟ اگر یہی لیل و نہا

ہیں تو حکومت کب تک چلے گی۔ مرزا جی اب پیسے میں آچکے تھے۔ آواز کافی بلند ہو چکی

تھی کہ ساجنٹ پولیس دوڑ کر آئے اور مرزا جی کو تھنبھہ سر کہنے لگے۔

خاموش... خاموش

مرزا جی (نیازمند کی طرف دیکھ کر) برخوردار، یہ اچھے حلق کے دروغ پیدا ہو گئے، اب کوئی

آدی بات بھی نہ کرے۔ آخر یہ کون یہ حضرات؟

نیازمند: محافظ پارلیمنٹ۔

مرزا جی: یعنی چاؤنش دربار! خوب حضور پر پوزر نے چاؤنش بھی مامور فرمایا ہے تو ایسا

گھامڑا دگا ددی غصے میں بھر کر اور انسپکٹر پولیس سے مخاطب ہو کر) اومیاں

چاؤنش!

”چاؤنش“ کا لفظ سن کر انسپکٹر صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے:

”کیا بات ہے؟“

مرزا جی: تم ہمیں تو بار بار روک دیتے ہو اور ہم مانتے ہیں کہ پیش گاہ متلی یعنی دربار

عظمت آثار میں سے آواز بلند نہیں بولنا چاہیے مگر (ایک گھنٹے مقرر کی طرف

اشارہ کر کے) ان گنج خطابت کی زبان کیوں نہیں پکڑتے۔ کیا یہ آدابِ دربار کی خلاف ورزی....

ان پکڑ: صاحبِ خدا کے لئے دخل و معقولات نہ کیئے ورنہ...
مرزا جی: ورنہ کیا؟ آگے کچھ نہ کہنا (آستین چڑھا کر) ورنہ دو چار سر کھل جائیں گے
قسم کلام پاک کی!

نیاز مند: (ان پکڑ صاحب سے) قبلہ آپ ہی درگزر فرمائیں۔
ان پکڑ صاحب خود ہی درگزر فرمانے پر تیار تھے مسکرا کر آگے بڑھ گئے اور مرزا صاحب پر سیراپیمینٹ کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت ایک صاحب تقریر فرما رہے تھے جنکی شیروانی کا عجب انداز تھا۔ یعنی اوپر کاٹن تولگا ہوا تھا باقی تمام بن کھلے ہوئے تھے۔ یہ صاحب ہاتھ ہلا ہلا کر اور گردن پچا پچا کر گہرا فشانوں میں مصروف تھے۔
مرزا جی: کچھ دیر انہیں بغور دیکھتے رہے پھر مجھ سے بعالمِ حشر سوال کیا۔
کیوں میاں؟ یہ بزرگوار شریک ہے ہیں یا نظم؟
نیاز مند: تقریر کر رہے ہیں۔

مرزا جی: کیا مسئلہ زیر بحث ہے۔
نیاز مند: قبلہ و کعبہ! مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وزراء و حکام کے مصارف کم کئے جائیں؟
مرزا جی: وزراء اور حکام عالی مقام کا ارشاد کیا ہے؟
نیاز مند: یہ کہ ہم کوشش کر رہے ہیں۔

مرزا جی: مگر برخوردارانِ منہ پھاڑ پیچھے جھاڑ قسم کے بزرگ کو کیا حق ہے کہ وہ وزراء و حکام سے بہ لہجہ عامیانہ بلکہ قسم پر درگزار کی بہ لہجہ سوقیانہ کئی مصارف کا مطالبہ کریں۔ وزراء و حکام نہ ہوئے۔ بھیڑ بکریاں ہو گئے کہ جسے دیکھوان پر دندانِ آرز تیز کر رہا ہے۔ اچھا بچہ... بھڑو... ذرا حضور پر پوز کو آنے دو۔ بڑب کعبہ ٹکھلی پر نہ کھینچوایا ہو تو نام پلٹ کر رکھ دینا ہمارا۔

نیاز مند: حضور پر پوز سے مراد آپ کی غالباً خانِ لیاقت علی خاں کی ذاتِ ستودہ صفا

مرزا جی: اور ہو بھی کون سکتا ہے۔

نیا زمند: تو دیکھئے حضور پرپور وہ سامنے تشریف فرما ہیں۔

مرزا جی: (گیلری سے بچے کی طرف جھانک کر) کہاں... برخوردار کہاں

نیا زمند: وہ دیکھتے.... وہ صاحب صدر کی کروٹ میں جو صاحب ننگے سر،

سینک لگائے بڑی سعادت مندی کے ساتھ عالم حیات میں مقررین کی تقریریں سن رہے

ہیں۔ وہی تو اشرف الوزراء امیر الامراء، خان لیاقت علی خاں بہادر ہیں۔

مرزا جی: (تنگ کر) جھوٹ بھلا ہے ہو۔ یہ حضور پرپور کہاں سے آئے، یہ تو کوئی...

نیا زمند: آپ کے سر عزیز کی قسم۔ بھلا آپ کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہوں۔ خان

لیاقت علی خاں یہی ہیں۔

مرزا جی: اے (حیرت و تعجب کے ساتھ) تو یہ ننگے سر پارلیمنٹ میں کیسے چلے آئے

اور برخوردار، یہ کیا وضع اختیار کی ہے انہوں نے؟ کبھی۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا۔

خیر یہ کرسی صدارت پر کون مولوی صاحب تشریف فرما ہیں۔

نیا زمند: یہ مولوی تمیز الدین خاں صاحب ہیں۔

مرزا صاحب: کیا یہ ممبران پارلیمنٹ کو اصول فقہ اور حدیث تشریف کا درس دینے پر مامور ہیں؟

نیا زمند: درس کیوں دیتے، اجلاس کی صدارت کرتے ہیں۔

مرزا صاحب: (چند لمحے خاموش رہ کر تناسفانہ لہجے میں) آج ہمارا جی کھٹا ہو گیا مٹھاری

پارلیمنٹ سے۔

نیا زمند: کیوں حسرت؟ خیر تو ہے، کیا بات ہو گئی؟

مرزا صاحب: (ٹھنڈا سانس بھر کر) آدمیاں گم شدند ملک خدا گرفت! آہ جس

قوم کے حکمرانوں میں حکمرانی کا سلیقہ نہ ہو، وہ بد نصیب قوم کیا ترقی کر سکتی ہے؟ بس اتنا ہو گئی

وزراء و حکام سامنے موجود ہیں اور ان کے مواجہے میں بے تنگی نقبہ یں ہو رہی ہیں۔ نہ

دربار ہے نہ اہل دربار۔ نہ مسند زکاء ہے نہ سرکار معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف اجاب

کی ایک مجلس ہے جہاں بایں شاطر بیٹھے چوس کر کھیل رہے ہیں۔ اے قربان اس دبدبہ شہر باری

اور طنطنہ جہاں داری کے کہ خان لیاقت علی خاں کے سامنے ایک باشتیا چن رہا ہے۔

اور خود بدولت منہ میں لکھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں۔ اگر سیدہ، برسرِ اقتدار ہوتا تو قسم رب العزت کی کہ اس گستاخی اور زبان درازی کا مزہ چکھادیتا۔ جو بے سُر ابولا برفندازوں کے حوالے، تو کیا وجہ کہ حکومت بغیر سیاست اور حسن بغیر ملاحمت بے معنی ہے۔ مگر واہ رے پاکستان، مان گئے تیری سیاست کو، یہ حکومت بے یار و کمال کی چودھری (احقر سے مخاطب ہو کر) برخوردار کاش تم نے شاہی زمانہ دیکھا ہوتا۔ جس وقت فرمانروائے عہد ساتھ لے مصاحبین کا ہجوم، کالبدر فی الخوم، حرم سرا سے برآمد ہوتا تو نوبت پرچوب پڑتی اور چپاوش دورباش کے نعرے لگاتے سواری کے آگے آگے دڑتے، جب ٹوکب ہمایونی دربارِ عالم کے قریب پہنچتا تو حاجیوں میں لمپل پڑ جاتی۔ اور

باادب۔ بلا ملاحظہ۔ ہوشیار۔

کے نعروں سے اہل دربار کے دل دہل جاتے ظل اللہ۔ یہ امان اللہ۔ لبسِ شکست و جاہ۔ بسم اللہ کہہ کر تختِ طاؤس پر قیم رکھتے تو موچھل بردار، بال ہما کے موچھل سے منگس رانی اور مروہ جنبانی شروع کر دیتے۔

تختِ طاؤس پہ جب ہوئے سلیمان کا جلوس
موچھل ہاتھ میں۔ میں بال ہما کالے لوں

ایک اس قوم کے اقبال کا وہ زمانہ تھا اور ایک یہ عہدِ ادوار ہے کہ دربار میں پندرہ بیس بے قرینہ لوگ ٹٹروں ٹوں بیٹھے ہیں اور سامنے خود وزارتِ انتساب اور عزت مآب مدہ گروہ و زرا موجود ہیں۔ نہ حفظِ ادب ہے نہ پاسِ مراتب! جس کے منہ میں جو آیا... انٹ سنٹ بکنا شروع کر دیا۔ جو سمجھے وہ گم سم نہ سمجھے تو داخل جہنم لیجئے صاحب قصہ ختم پیسہ مضام۔

اس پر یہ ادعا کہ ہم خود مختار ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے تاجدار! واہ رے گردشِ تقدیر، کیا حکومت ہے کیا وزیر؟ کیا وزارت ہے کیا مشیر؟ کیا مجلس ہے کیا تقریر؟

یا پیر و شگسیر ادرکنی!

رئیس اکادمی کی مطبوعات

المیہ مشرقی پاکستان	آنسوؤں اور خون کی کہانی — حصہ اول — ۶ روپے
المیہ مشرقی پاکستان	آنسوؤں اور خون کی کہانی — حصہ دوم — ۶ روپے
جنسیات	_____ حصہ اول — ۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات	چوتھا ایڈیشن — حصہ اول — ۶ روپے
جنسیات	_____ حصہ دوم — ۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات	دوسرا ایڈیشن — حصہ دوم — ۶ روپے
توجہات	چوتھا ایڈیشن — ۶ روپے
لے ساٹن بھی آہستہ	پانچواں ایڈیشن — ۶ روپے
مراقبہ	_____ ۶ روپے
ہیپناٹزم	چوتھا ایڈیشن — ۶ روپے
حاضرات ارواح	تیسرا ایڈیشن — ۶ روپے
عالم ارواح	دوسرا ایڈیشن — ۶ روپے
جنات	دوسرا ایڈیشن — ۶ روپے
نفسیات و مابعد النفسیات	_____ تیسرا حصہ — ۶ روپے
عالم برزخ	_____ ۶ روپے

رئیس اکادمی گارڈن ایسٹ کراچی۔ فون نمبر ۷۰۵۵۶